نثرِ رضا کے ادبی جواہر پارے

ڈاکٹر محمد حسین مُشاہدؔ رضوی، مالیگاوں

برائے ایصالِ ثواب
بزرگانِ خاندانِ برکات، مارہرہ مطہرہ و
مرحومہ خاتون جحن، مرحوم حاجی احمد، مرحومہ حلیمہ بنت عبدالرشید برکاتی،
شاعرِ اسلام مدّاحِ رسول مرحوم الطاف انصاری سلطان پوری

ناشر: ادارۂ دوستی، ۸۴۲، رکمال پورہ، مالیگاؤں (ناسک)
بہ موقع عرسِ رضا ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء

نام	:	نثرِ رضا کے ادبی جواہر پارے
مولف	:	محمد حسین مُشاہد رضوی
کمپوزنگ	:	مُشاہد بہ دستِ خود
سرورق	:	شفیق رشید آرٹسٹ، مالیگاوں
صفحات	:	48
سنِ اشاعت	:	2011ء
تعداد	:	پانچ سو
ہدیہ	:	دعاے خیر بہ حقِ معاونین
مطبع	:	عتیق رشید آرٹسٹ
ناشر	:	محمد اسماعیل رضا برکاتی (مالیگاؤں)

رابطہ

محمد حسین مُشاہد رضوی ابن عبدالرشید

سروے نمبر ۳۹ پلاٹ نمبر ۱۴، نیا اسلام پورہ مالیگاؤں-423203

ضلع ناسک، مہاراشٹر، موبائل:9021761740 / 9420230235

ملنے کا پتا

دفتر آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء، نزد اکھاڑہ مسجد، مالیگاوں

سٹی بک ڈپو، نزد قصاب باڑہ مسجد، محمد علی روڈ، مالیگاوں

مدینہ کتاب گھر، نزد مدینہ مسجد، اولڈ آگرہ روڈ، مالیگاوں

انتساب

ہراُس منصف مزاج ادیب وناقد، مورخ ومحقق اورادب پسند طالب علم کے نام

جس کا ادب کے تئیں یہ نظریہ ہے کہ :

''ادب میں تعصب کی عینک سے مطالعہ کرنا اور اپنے
مخالف عقیدے ونظریے کے مقلد افراد کی اعلا ترین علمی
وادبی کاوشات سے صرفِ نظر کرنا ؛ادب کو زندہ در گور کرنے
کے مترادف ہے......''

محمد حسین مُشاہدؔ رضوی

حرفِ چند

ناچیز کو ہائی اسکول کے زمانۂ طالبِ علمی میں ہی کچھ تو اساتذہ کی مہربانیوں اور کچھ ادب پسند دوستوں کی رفاقت سے اردو شعر و ادب سے شغف پیدا ہو گیا تھا۔ اسباق و منظومات کے شروع میں شعرا و مصنفین کے کوائف میں ان کی کتابوں اور رسالوں کے بارے میں اجمالاً معلومات درج رہا کرتی تھیں۔ لائب ریری سے ان کتب و رسائل کو حاصل کر کے ان کے مطالعہ کا ذوق و شوق بھی اسی دوران پروان چڑھا، کتابیں پڑھنے کے بعد ان پر اچھا خاصا تبصرہ بھی ہوتا۔ لڑکپن ہی سے اردو ادب کی اچھی خاصی کتابیں مطالعہ سے گذر چکیں۔ جب شعور میں مزید بالیدگی آئی تو اردو ادب کی تاریخ پر لکھی گئی کتابیں پڑھنے کے مواقع میسر آئے۔

چوں کہ گھریلو ماحول کی وجہ سے امام احمد رضا محدث بریلوی جیسے عظیم اسلامی مفکر کی کتابیں بھی زیرِ مطالعہ رہیں۔ جب تاریخِ اردو ادب پر لکھی گئی کتابوں کو پڑھنے کا اتفاق ہوا تو میں حیرت و استعجاب کے سمندر میں غوطہ زن ہوتا گیا کہ آخر ان کتابوں میں امام احمد رضا جیسے عظیم المرتبت ادیب و شاعر، محقق و مصنف کا ذکر کیوں نہیں؟ یہ سوال بار بار کچوکے لگا تا رہا۔ لہٰذا اسی دوران میرے دل میں پیشِ نظر مقالہ ''نثرِ رضا کے ادبی جواہر پارے'' قلم بند کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اس کی ترتیب و تہذیب راقم نے جولائی ۲۰۰۰ء میں کی تھی۔ ایک صاحب کے پاس بہ غرضِ مطالعہ دیا گیا اُن سے یہ مقالہ نہ جانے کہاں رکھا گیا؟ صد شکر کہ ۶ سال کے بعد یہ دوبارہ دست یاب ہوا، اسی وقت اس کی طباعت کا خیال ہوا لیکن اشاعت کے لیے بعض دشواریاں مانع رہیں، بہ ہر کیف! یہ مقالہ آپ کے ہاتھوں میں اس کی ترتیب کے دس سال سے بھی زائد عرصہ کے بعد آ رہا ہے۔ میں اس کی اشاعت میں دل چسپی کا مظاہرہ کرنے والے احباب کا ممنون ہوں۔

رب عز و جل رسولِ کونین ﷺ کے صدقہ و طفیل ہمیں دارین کی سعادتوں سے بہرہ مند فرمائے۔ (آمین بجاہ الحبیب الامین صلی اللہ علیہ وسلم)

محمد حسین مُشاہدؔ رضوی، مالیگاوں

۸؍ذوالحجہ ۱۴۳۱ھ/ ۱۵؍نومبر ۲۰۱۰ء، بروز پیر

ابتدائیہ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان رحمت والا

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

مولانا شاہد رضا نعیمی اشرفی لکھتے ہیں :

’’ادب میں تعصب کی عینک سے مطالعہ میرے نزدیک ناپسندیدہ عمل ہے اور میں اپنی ناپسندیدگی کو دوسروں کی پسند گمان کرنے والوں میں بھی نہیں ہوں لیکن اردو ادب کا طالب علم جب ۱۸۵۷ء کے تاریخی انقلاب کے بعد ادب کی روشنی میں اپنا ذہنی سفر شروع کرتا ہے تو حیرت اُسے ضرور ہوتی ہے؛ اگر نہیں ہوتی تو ہونی چاہیے اور اگر اس ’’چاہیے‘‘ کا بھی انکار ہے تو حقیقتیں ہر دور میں اتنی بااختیار ضرور رہوتی ہیں اور رہیں گی جب حقائق کی اَن مِٹ طاقتوں نے محض تخیلاتی نظریات کے پہاڑ کو چکنا چوُر کر دیا ہے ’’ایٹم‘‘ کی سہ رُکنی حقیقت نے نیوٹن کا بھرم اگر توڑا ہے، صورت و معنیٰ کی کشمکش میں اگر معنیٰ کو غلبہ حاصل ہوا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ فاضلِ بریلوی کی ادبی ولسانی خدمات کا اعتراف نہ کیا جائے ذہنی و علمی دنیا کی یہ وہی مایوس کن منزل ہے جہاں اپنوں سے شکوہ شکایت کو ’’شدید اپنائیت‘‘ کی خوب صورت تاویل کا لبادہ پہنا دیا جاتا ہے۔ میں بھی کرب و کسک کی اُس منزل پر ہوں جہاں مجھے اپنوں سے شکوہ ہے لیکن سوچتا ہوں کہ اپنا کون ہے؟ اس لیے یہ کہہ دینا ہی عافیت بخش ہے کہ مجھے سب سے شکوہ ہے، کاش! ہماری جماعت کے لوگ فاضلِ بریلوی کے اِس رُخ پر لکھتے تو آج حامد حسن قادری، رام بابو سکسینہ، نسیم قریشی، عبدالسلام ندوی کی تاریخِ ادب کی کتابیں ’’ذکرِ رضا‘‘ سے نا آشنا نہ ہوتیں۔‘‘

(مولانا شاہد رضا نعیمی اشرفی: امام احمد رضا اور اردو ادب، المیزان کا امام احمد رضا نمبر ۱۹۷۶ء، ص ۵۰۷)

اردو ادب کی تاریخ کے اس سب سے بڑے المیے کو فراموش نہیں کرنا چاہیے، یہ ہماری بدقسمتی ہے اور ناقابلِ تردید حقیقت بھی...... کہ ہمارے مورخین و ناقدین نے اردو ادب کی تاریخ مرتب کرتے وقت عصبیت کا شکار ہوکر اور عقیدے کی عینک چڑھا کر اردو ادب کی تاریخ لکھی ہے؛ چناں چہ یہی گروہی عصبیت اور جانب دارانہ رویّہ امام احمد رضا محدث بریلوی کی ادبی و لسانی خدمات کو تاریخِ ادب کی کتابوں سے دؤر کیے ہوئے ہے۔ اس ضمن میں ممتاز ناقد و محقق ڈاکٹر وزیر آغا کی یہ تحریر پیش کرنا غیر مناسب نہ ہوگا:

> ''پچھلے دنوں ایک نجی محفل میں ایک بزرگ نقاد نے کسی تازہ کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا؛ میرے لیے اس کتاب کا پسند کرنا ناممکن ہے اس لیے کہ یہ تو میرے عقائد ہی کے خلاف ہے؛ اور میں سوچنے لگا کہ ادب کی پرکھ کے سلسلے میں اگر عقیدہ کسوٹی مان لیا جائے تو اس کے کیا نتائج برآمد ہوں گے۔''

مضمون کے اختتام پر ڈاکٹر آغا صاحب نے یوں لکھا ہے کہ :

> ''اگر نقّاد اپنے کسی عقیدے کے تحت ادب کو پرکھنے کی کوشش کرے اور ہر اس ادب پارے کو گردن زنی قرار دے دے جو اس کے عقیدے کے مطابق نہیں تو پھر ادب کا خدا ہی حافظ ہے۔''
>
> (ڈاکٹر وزیر آغا: تنقید و احتساب)

ڈاکٹر وزیر آغا کی محولہ بالا عبارت میں مولانا شاہد رضا نعیمی کے درد و کرب کا جواب موجود ہے؛ شعراے اردو کے تذکرہ نگاروں اور اردو ادب کی تاریخ مرتب کرنے والے مورخین و ناقدین نے مسلکی عصبیت کو بروے کار لاتے ہوئے امام احمد رضا جیسے عظیم المرتبت ادیب و شاعر بل کہ ''شہنشاہِ اقلیمِ سخن'' کے ذکرِ خیر سے اپنی کتابوں کو خالی رکھا ہے اور آپ کی علمی و ادبی، لسانی و فکری اور دینی و ملّی خدمات کو یک سر نظر انداز کر دیا ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ اس میں کچھ اپنوں کی بھی کوتاہیاں شامل ہیں۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ جس قدر تعصب کا برتاوا امام احمد رضا محدث بریلوی کے ساتھ ہوا ہے اتنا کسی دوسرے اسلامی مفکّر کے ساتھ نہیں ہوا ہوگا۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے اردو زبان و ادب کی جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اُسے آبِ زر سے لکھا جائے تو بھی کم ہے۔ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں جب کہ اردو کا دامن اصولِ تحقیق اور لسانی مصطلحات سے مبرہ تھا۔ آپ نے اپنی تصنیف ''حجب العوار عن مخدوم بہار'' میں تحقیق کے مبادیات و مصطلحات، صحتِ

نسخ،صحتِ متون، اتصالِ سند، تواتر، تداول، احتیاطِ نقل واستدلال پر علمی وتحقیقی بحث فرمائی ہے اور اس فن کے لیے اصول وضابطہ وضع کیے۔

تحقیق وریسرچ میں صحتِ نسخ اور صحتِ متون کو اساسی اہمیت حاصل ہے دیکھا گیا ہے کہ محققین بھی اس کی پروانہیں کرتے اور ہر چھپی ہوئی کتاب سے استفادہ کر کے استدلال واستناد کرتے ہیں اور اس کے مندرجات کو بلا تامل مصنف سے منسوب کر دیتے ہیں۔ امام احمد رضا نے تحقیق کے جو اصول پیش فرمائے ہیں ان سے آپ کی احتیاط بھی عیاں ہوتی ہے اور آپ کے مرتب کردہ اصول اور جدید محققین کی مدوّن کردہ مصطلحات کے تقابلی مطالعہ سے آپ کا معیارِ تحقیق بہت ہی ممتاز نظر آتا ہے۔ امام احمد رضا کے ان اصولوں پر تحقیقی بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری (میسور یونی ورسٹی، کرناٹک) کا یہ تجزیہ قابلِ توجہ ہے، موصوف راقم ہیں:

''فخر واعتماد کے ساتھ جس مستند محقق کو دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے محققوں کی بزم میں پیش کیا جاسکتا ہے کم از کم انیسویں اور بیسویں صدی میں اس افتخار کا سہرا محققِ بریلوی کے فرقِ اقدس پر سجتا ہے اور ہر اعتبار سے آپ ہی اس کے حق دار ہیں۔''

(ڈاکٹر امجد رضا امجد: اردو میں مذہبی ادب کا تنقیدی مطالعہ، پیغامِ رضا، ۱۹۹۶ء، ص ۱۶۷)

امام احمد رضا محدث بریلوی ایک طرف تو جدید تنقید وتحقیق کے اصولوں سے دنیاے اردو ادب کو اس وقت متعارف کرا رہے تھے جب کہ اردو تنقید وتحقیق کا دامن ان باریکیوں سے یک سر خالی تھا، تو دوسری طرف اس کے برعکس اردو ادب کے مورخین نے امام احمد رضا محدث بریلوی کی ادبی ولسانی خدمات واثرات کے ساتھ ایسا سنگین برتاو کیا جو انتہائی درجہ قابلِ افسوس ہے۔ مذہبی ادب کے معروف ناقد ڈاکٹر امجد رضا امجد (پٹنہ) کا یہ منصفانہ تجزیہ لائقِ مطالعہ ہے:

''مگر تاریخِ اردو کے مورخین نے اس نابغۂ روزگار شخصیت کے ساتھ جس بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا ہے وہ ایک سنگین جرم ہے اور اردو کے علمی ذخائر کے ساتھ خیانت بھی...... اربابِ علم ودانش اس خلا کو محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے اور احساس بیدار ہوتے ہی وہ سراپا سوال بن جاتے ہیں۔ چناں چہ دورِ جدید کے ایک مذہبی محقق ومفکر پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی مظہری کا ایک دل گداز بیان پڑھیے:

'تاریخ وادب کی کتابوں میں نہ جانے کیوں اس عظیم انسان کو نظر

اندازکیا گیا......اربابِ علم و دانش حیران ہیں......یکم ستمبر۹۲ء کو بریلی جانا ہوا......وہاں ایک ملاقات میں ڈاکٹر وسیم بریلوی (صدر شعبۂ اردو روہیل کھنڈ یونی ورسٹی) نے باتوں باتوں میں فرمایا......اردوادب کی کتابوں میں امام احمد رضا کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا ؟......یہ غفلت کیوں برتی گئی؟......وسیم بریلوی سراپا سوال بن گئے......''(ایضاً ص ۱۶۸)

امام احمد رضا محدث بریلوی کی نثر نگاری اپنے عہد کے نام ور علما و ادبا کے مقابل خاصے کی چیز ہے۔آپ کی نثر عمدہ اوراعلا ترین ہے۔آپ کے معاصر میں جن اشخاص کا مقابلہ آپ کی مہتم بالشان شخصیت سے کیا جاتا ہے اُن کی نثر نگاری آپ کے سامنے بالکل بچکانہ نظر آتی ہے اور وہ افراد امام احمد رضا محدث بریلوی کے سامنے طفلِ مکتب نظر آتے ہیں ۔امام احمد رضا بریلوی اوران کے ہم عصروں کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد ہمارے اس خیال کی تصدیق وتوثیق کے لیے یقیناً آپ بھی مجبور ہو جائیں گے۔چناں چہ مشہور ادیب وشاعر اور ممتاز دانش ور پروفیسر ڈاکٹر صابر سنبھلی (وظیفہ یاب صدر وریڈر ایم ایچ ۔پی جی ،کالج ،مرادآباد) نے تحقیق ومطالعہ کے بعد اپنی حتمی رائے کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے :

''امام احمد رضا کے دور میں کچھ اور لوگ بھی نثر لکھ رہے تھے، مولوی قاسم نانوتوی کی ایک کتاب 'تحذیر الناس' راقم السطور کی نظر سے گزر رہی ہے۔فقیر کو علمیت میں کوئی دخل نہیں لیکن تھوڑی بہت فارسی سمجھ لیتا ہے اس کے باوجود 'تحذیر الناس' جو اردو کی کتاب بتائی جاتی ہے،سر سے گزر گئی......مولوی اشرفعلی تھانوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی کی نثر کوئی پہچان نہیں بنا پائی یوں بھی ان دونوں کی نثر بچکانہ ہے۔اس لیے یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ جدید علمی نثر کے فروغ کا کام سرسید اور امام احمد رضا نے ہی کیا ہے۔''

(ڈاکٹر صابر سنبھلی: اردو نثر نگاری میں امام احمد رضا کا حصہ، مشمولہ: سہ ماہی افکارِ رضا، ممبئی، ستمبر ۱۹۹۹ء، ص ۱۰)

امام احمد رضا نے اپنی اردو نثر میں موضوع کی صحیح فہمایش پر زور دیا اور اپنے افکار و خیالات کی وضاحت وصراحت کے لیے گنجلک اسلوبِ نگارش کو نہیں اپنایا اور نہ ہی آپ کی تحریروں میں تصنع اور بناوٹ کا کہیں شائبہ گزرتا ہے؛ جیسا کہ عہدِ رضا ہی کے ایک مشہور نثر نگار مولانا ابوالکلام آزاد؛ کہ جنھوں نے اپنی اردو تحریروں میں عربی وفارسی کی تراکیب سے اپنے اسلوب کو

سجانے کے لیے قاری کو الفاظ و معنی کی بھول بھلیوں میں گم کر دیا ہے اور اپنے زورِ بیان کی نمایش و زیبایش کرنے کے لیے انھوں نے جو اسلوب اختیار کیا ہے اس میں بہ ظاہر تو لطف محسوس ہوتا ہے لیکن یہ اہلِ نقد و نظر جانتے ہیں کہ ابوالکلام آزاد کے اسلوب میں مصنوعی طرزِ بیان نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ بل کہ بعض ناقدین نے تو آزاد صاحب کی تحریروں کو انانیتی ادب سے بھی تعبیر کیا ہے۔ جب کہ امام احمد رضا کی تحریریں ان معائب سے پاک وصاف اور فطری انداز لیے ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں امام احمد رضا کی نثر نگاری پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے والے پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی (صدر شعبۂ اردو بہار یونی ورسٹی، مظفر پور، بہار) کا یہ بیان اہمیت کا حامل ہے:

> ''انھوں نے موضوع ہی کو اصل و اساسِ سعیِ تحریر سمجھا؛ اس لیے ان کا سارا زورِ بیان اپنے افکار و خیالات کے موثر ابلاغ کے لیے وقف ہے ان کی نظر اس حقیقت سے واقف تھی کہ حقائق کی زمین اس قدر سنگلاخ ہوتی ہے کہ باطل خیالات شیشے کے برتن کی طرح ٹوٹ جاتے ہیں اس لیے انھوں نے اپنے اسلوبِ نگارش کو مزیّن کرنے کی کوئی شعوری کوشش نہیں کی۔ اس کے باوجود ان کے جملوں کی ترتیب میں ایک مخصوص آہنگ ملتا ہے۔ جو عربی و فارسی تراکیب سے مملو ہونے کے باوجود سماعت کو ناگوار نہیں معلوم ہوتا بل کہ کانوں میں رس گھولتا نظر آتا ہے۔
>
> امام احمد رضا کے عہد میں اگرچہ علی گڑھ تحریک کے زیرِ اثر سلیس و بامحاورہ نثر نگاری کی روایت چل پڑی تھی؛ تاہم بہت سارے اہلِ قلم حضرات قدیم اسلوبِ نگارش سے پیچھا نہیں چھڑا سکے تھے فارسی کے مخصوص طرز کے زیرِ اثر ایسے اہلِ قلم اپنی تحریروں میں صنائع و بدائع کا استعمال کرتے تھے اور اپنی قادرالکلامی اور زورِ بیان کی نمایش کرنے کی غرض سے مقفّا عبارت آرائی کے بھی دل دادہ تھے...... لیکن امام احمد رضا نے کبھی ایسی پُرتصنع عبارت آرائی کی کوشش نہیں کی ان کا مقصدِ اعظم دین کی تجدید و تبلیغ تھا اور ایک مجدّد و مبلغ مصنوعی طرزِ بیان سے کام نہیں لیتا اس لیے انھوں نے ہر جگہ فطری اندازِ بیان اختیار کیا تا کہ ان کی زبان میں از دل خیزد بر دل ریزد کی شان باقی رہے۔''

(ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی: امام احمد رضا اور اردو ادب، مشمولہ: مسلم ٹائمز، جون ۲۰۰۰ء، ص ۵)

درج بالا تجزیے سے یہ بات آفتابِ نیم روز کی طرح روشن و نمایاں ہو جاتی ہے کہ ۔

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

امام احمد رضا اپنے معاصر نثر نگاروں میں سب سے ممتاز و منفرد ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ آپ کی علمی و ادبی حیثیت کو منصف مزاج اربابِ علم و دانش نے خوب خوب سراہا ہے۔ شعرائے اردو کے تذکرہ نگاروں اور اردو ادب کی تاریخ مرتب کرنے والے مورخین و ناقدین نے امام احمد رضا جیسے عظیم ادیب و شاعر کی علمی، ادبی، لسانی اور تعلیمی خدمات کا تذکرہ نہ کرکے اردو ادب کے ساتھ نہ صرف یہ کہ انصاف نہیں کیا ہے بل کہ آپ کی شخصیت کو نا قابلِ اعتنا سمجھ کر ایک سنگین جُرم اور بڑی ادبی خیانت بھی کی ہے......ویسے میری نظر میں اردو ادب کی تاریخ میں امام احمد رضا کا ذکر نہ ہونا ''امام'' کے لیے ''باعثِ محرومی'' نہیں بلکہ یہ تو ''اردو ادب'' کی ''حرماں نصیبی'' ہے کہ وہ امام احمد رضا جیسے عظیم المرتبت مردِ جلیل اور شہنشاہِ اقلیمِ سخن کے ذکرِ خیر سے خالی ہے۔

بہ ہر کیف! حقیقتیں ہر دور میں اپنا لوہا منواتی اور حقائق کی ان مٹ طاقتوں سے بے بنیاد باتوں کے تار و پود بکھیر کر لوگوں کو صداقت آشنا کرتی رہی ہیں......یہی وجہ ہے کہ آج ساری دنیا میں امام احمد رضا پر مطالعہ و تحقیق کا جو سلسلہ دراز ہوا ہے وہ بے مثیل و بے نظیر نظر آتا ہے۔ آج اکنافِ عالم میں امام احمد رضا کے افکار و خیالات اور نظریات کی دھومیں مچی ہوئی ہیں لوگ آپ کے بحرِ علم و عمل سے سیراب ہو کر اپنی تشنگی بجھا رہے ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی کا یہ مصرعہ آج خود ان پر صادق آتا ہے کہ ؏

گونج گونج اُٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں

پیشِ نظر مقالہ میں امام احمد رضا کے ان نثری جواہر پاروں کو جمع کرنا مقصود ہے جنھیں اردوے معلا کا حسین ترین گل دستہ اور اردو زبان و ادب کی شیرینی و حلاوت کا عظیم ترین شاہ کار قرار دیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا آپ کی ''صرف چند کتب و رسائل'' سے چیدہ چیدہ اقتباسات مع حوالہ جات نقل کیے جاتے ہیں یہ بات ذہن نشین رہ کہ اگر آپ کی تمام تر مطبوعہ تصانیف سے ایسے اقتباسات جمع کیے جائیں تو کئی ضخیم مجلدات تیار ہو جائیں۔

آیئے اب ورق اُلٹیے اور اروے معلا کے حسین و جمیل گل بوٹوں کی چاشنی و لطافت سے محظوظ ہوتے ہوئے امام احمد رضا کی قادرالکلامی کا نظارا کیجیے۔

(۱) سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم جانِ دین وایمان ہے۔آیتِ کریمہ : **ان ارسلنک شاھداً و ّمبشّراً وّ نذیراً لِّتؤ منوا باللہ ورسولہٖ وتعزروہ وتوقِّروہ و تسبحوہ بکرۃً وّاصیلاً۔**(سورہ فتح پ۲۶،ع۹)

کے تحت امام احمد رضا کا ادبی شہ پارہ خاطر نشین فرمائیں۔عبارت کی سلاست وروانی اورزبان کی عمدگی اوردل کشی قاری کوایک عجیب طرح کی لذت سے سرشار کرتی جاتی ہے :

''مسلمانو! دیکھو دینِ اسلام بھیجنے،قرآن مجید اتارنے کا مقصود ہی تمہارا مولا تبارک وتعالیٰ تین باتیں بتاتا ہے اوّل یہ کہ لوگ اللہ ورسول پر ایمان لائیں......دوّم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کریں...... سوّم یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرتے رہیں۔

مسلمانو! ان تینوں جلیل باتوں کی جمیل ترتیب تو دیکھو! سب میں پہلے ایمان کو فرمایا اورسب میں پیچھے اپنی عبادت کو اور بیچ میں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کواس لیے کہ بغیر ایمان تعظیم کارآمد نہیں بہتیرے نصارا ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم اورحضور پر سے دفعِ اعتراضاتِ کافرانِ لئیم میں تصنیفیں کر چکے،لکچر دے چکے،مگر جب کہ ایمان نہ لائے کچھ مفید نہیں کہ یہ ظاہری تعظیم ہوئی،دل میں حضورِاقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی عظمت ہوتی تو ضرور ایمان لاتے، پھر جب نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی تعظیم نہ ہوعمر بھرعبادتِ الٰہی میں گذارے،سب بے کار ومردود ہے......بہتیرے جوگی اورراہب ترکِ دنیا کرکے اپنے طور پر ذکروعبادتِ الٰہی میں عمر کاٹ دیتے ہیں بلکہ ان میں بہت وہ ہیں کہ لا الٰہ الا اللہ کا ذکر سیکھتے اورضربیں لگاتے ہیں......مگر ازانجا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم نہیں کیا فائدہ؟ اصلاً قابلِ قبولِ بارگاہِ الٰہی نہیں......''

(امام احمد رضا بریلوی:تمہیدِ ایمان بآیاتِ قرآن ۱۳۲۶ھ،رضا اکیڈمی،مالیگاوں ۱۹۹۲ء،ص۲)

(۲) آریاوں کاعقیدہ ہے کہ ایشور ہر جگہ رما ہوا ہے اوروہ ہر شخص کے آگے دس انگلی کے فاصلے پرموجود ہے اس باطل خیال کی امام احمد رضا نے کس درجہ اچھوتے تنقیدی انداز سے دھجیاں بکھیری ہیں وہ قابلِ دید ہے۔منکرینِ توحید ورسالت پرطنز کا لطیف مگر کاٹ دار انداز قاری کومتاثر کرتا ہے :

’’دس انگلی کے فاصلے پر ہر آدمی کے بیٹھا ہے تو ہر جگہ کب ہوا پھر دو آدمی کے آمنے سامنے دس انگلی کے فاصلے پر ہوں تو ایشور آٹھ انگل ہر ایک کے پیٹ میں گھسا ہوا ٹھہرا............ جب ہر جگہ رما ہوا ہے فرض کرو ایک شخص نے دور سے اس کے جوتا مارا، تو یہ فضا جس میں جوتا چل کر اس کے بدن تک گیا اس میں بھی ایشور تھا یا نہیں...... نہ کیوں کر ہوگا کہ وہ سب جگہ ہے اور جب یہاں بھی تھا تو جوتا آتے دیکھ کر ہٹ گیا یا جوتا اس کے اندر سے ہوتا ہوا گزرا...... ہٹ تو نہیں سکتا ورنہ ہر جگہ کب رہا؟ یہ جگہ خالی ہو جائے گی ضرور جوتا اس میں ہو کر گزرا...... عجیب ایشور ہے کہ جوتے سے پھٹ گیا...... پھر اس شخص کے جس حصۂ بدن پر جوتا پڑا، وہاں بھی ایشور تھا یا نہیں؟ نہ کیسے ہوگا ورنہ ہر جگہ نہیں رہے گا، اور جب وہاں بھی نہ تھا تو اب بتاؤ کہ یہ جوتا کس پر پڑا؟...... کاش! ذرا اُلٹا ہوتا تو پاؤں پر لگتا، سیدھا بھی ہے تو سر پر پڑا...... یہ ہیں آریہ اور اُن کے ایشور...... کیا انھوں نے خدا کو جانا؟......‘‘

(امام احمد رضا بریلوی: العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۴ء، ج۱، ص ۷۳۹)

(۳) امام احمد رضا بریلوی نے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گستاخی جیسے بھیانک ترین جرم کے مرتکب طبقے کی سرکوبی میں سرگرمی سے حصہ لیا اور اہانتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مملو مکتبۂ دیوبند کے علما کی عبارتوں پر حکمِ شرعی کے لیے علمائے حرمین شریفین کی طرف رجوع کیا...... ۱۳۲۴ھ میں علمائے حرمین سے موصولہ فتاووں کو ’’حسام الحرمین‘‘ کے نام سے ایک کتاب تالیف فرما کر شائع کیا۔ جس میں علمائے حرمین شریفین نے باطل عقائد و نظریات رکھنے والے حضرات کو ایمان و اسلام سے خارج بتایا۔ امام احمد رضا نے یہ فتوا خود نہیں لکھا بلکہ علمائے حرمین شریفین کے فتاووں کو یک جا کر کے شائع کیا۔ بایں سبب آپ مختلف بے بنیاد الزامات کی زد میں آگئے اور آپ کے بارے میں یہ جھوٹا اور مکروہ پروپیگنڈہ مخالفین کی طرف سے پوری شد و مد کے ساتھ کیا جانے لگا کہ آپ بات بات میں مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ امام احمد رضا نے خود پر عائد کیے جانے والے بے بنیاد الزامات کے تار و پود بکھیرتے ہوئے صداقت کا برملا اظہار کیا ہے، زبان و بیان اور اسلوب کے اعتبار سے یہ نثری شہ پارہ امام احمد رضا کی اعلا ترین ادبیت کو آشکار کرتا ہے۔ روزمرہ محاورات کے برجستہ استعمال سے قاری کیف آگیں جذبات سے آشنا ہو جاتا ہے۔ نشانِ خاطر فرمائیں گراں قدر ادبی جوہر پارہ :

''ناچار عوامِ مسلمین کو بھڑکانے اور دن دہاڑے اُن پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علماے اہلِ سنت کے فتواے تکفیر کا کیا اعتبار؟ یہ لوگ ذرّ ذرّہ سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں...... ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں...... اسماعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا...... مولوی اسحاق کو کہہ دیا...... مولوی عبدالحیٔ صاحب کو کہہ دیا...... پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوئی ہے وہ اتنا اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ! حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو کہہ دیا...... حاجی امداداللہ صاحب کو کہہ دیا...... شاہ ولی اللہ صاحب کو کہہ دیا...... مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب کو کہہ دیا...... پھر جو پورے حدِّ حیا سے اونچے گذر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں کہ عیاذاً باللہ عیاذاً باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو کہہ دیا......

غرض! جسے جس کا زیادہ معتقد پایا اس کے سامنے اسی کا نام لے کر انھوں نے اسے کافر کہہ دیا...... یہاں تک کہ ان میں کے بعض بزرگوں نے مولانا مولوی شاہ محمد حسین صاحب الٰہ آبادی مرحوم و مغفور سے جا کر جڑ دی کہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین عربی قدس سرہٗ کو کافر کہہ دیا...... مولانا کو اللہ تعالیٰ جنتِ عالیہ عطا فرمائے ، انھوں نے آیۂ کریمہ **ان جآءَ کم فاسقُ بنبأٍ فتبینوا** پر عمل فرمایا...... خط لکھ کر دریافت کیا جس پر یہاں سے رسالہ ''انجاء البری عن وسواس المفتری'' لکھ کر ارسال ہوا اور مولانا نے مفتری کذاب پر لاحول شریف کا تحفہ بھیجا......''

(امام احمد رضا بریلوی: تمہید ایمان بآیاتِ قرآن ۱۳۲۶ھ، رضا اکیڈمی، مالیگاوں ۱۹۹۲ء، ص ۱۲)

(۴) امام احمد رضا کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک گوشہ کھلی کتاب کی طرح روش و تابناک ہے آپ نے از خود کسی اہلِ قبلہ یا اہلِ کلمہ کی کبھی بھی تکفیر نہیں کی بل کہ جو حضرات اپنے کفریہ عقائد و نظریات کی بنیاد پر خود ہی دائرۂ اسلام و ایمان سے خارج ہو گئے تھے اور اپنے آپ کو دینِ اسلام کا رہ برو رہِ نما اور داعی و مبلغ کہہ رہے تھے۔ ایسے رہ زنوں کے مکر و فریب سے امام احمد رضا نے باخبر کیا اور عامۃ المسلمین کی صحیح رہ نمائی کا فریضۂ خیر انجام دیا نہ کہ بات بات میں کفر کے فتاوے دیے۔ ایسے جھوٹے اور بے بنیاد الزامات کے بارے میں حضرت امام راقم ہیں۔ اسلوب کی دل کشی ہمیں متوجہ کرتی ہے :

''مسلمانو! مسلمانو! تمھیں اپنا دین وایمان اور روزِ قیامت حضور بارگاہِ رحمٰن یاد دلا کر استفسار ہے کہ جس بندۂ خدا کی در بارۂ تکفیر یہ شدید احتیاط ...... یہ جلیل تصریحات ہو......اس پر تکفیر تکفیر کا افترا کتنی بے حیائی......کیسا ظلم ...... کتنی گھنونی ناپاک بات ہے......مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔اور وہ جو کچھ فرماتے ہیں قطعاً حق فرماتے ہیں......اذا لــم تستحی فاصنع ماشئت......جب تجھے حیا نہ رہے تو جو چاہے کر......ع

بے حیا باش ہر چہ خواہی کن......''

(امام احمد رضا بریلوی: تمہیدِ ایمان بآیاتِ قرآن ۱۳۲۶ھ، رضا اکیڈمی، مالیگاوں ۱۹۹۲ء، ص ۴۸)

(۵) سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینۂ طیبہ میں آمد پر وہاں کے کیف ونشاط میں ڈوبے ہوئے مناظر کو اس طرح الفاظ وتراکیب کا جامہ پہنا کر بیان کیا ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ مناظر نگاہوں کے سامنے موجود ہیں۔تصویریت اور منظر کشی کا لطف تحریر کے حُسن کو دوبالا کر رہا ہے :

''اللہ اللہ! ایک وہ دن تھا کہ مدینۂ طیبہ میں حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی دھوم ہے......زمین وآسمان میں خیر مقدم کی صدائیں گونج رہی ہیں......خوشی و شادمانی ہے کہ درو دیوار سے ٹپکی پڑتی ہے......مدینے کے ایک ایک بچے کا دمکتا چہرہ انار دانہ ہو رہا ہے......باچھیں کھِلی جاتی ہیں کہ دل سینوں میں نہیں سماتے......سینوں پر جامے تنگ...... جاموں میں قبائے گل کا رنگ......نور ہے کہ جھما جھم برس رہا ہے......فرش سے عرش تک نور کا بقعہ بنا ہوا ہے......پردہ نشین کواریاں شوقِ دیدارِ محبوبِ کردگار میں گاتی ہوئی باہر آئی ہیں کہ ؎

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجبت شکر علینا مادعا للّٰہ داع

بنی نجار کی لڑکیاں کوچے کوچے محوِ نغمہ سرائی ہیں کہ ؎

نحن جوارٍ من بنی النجار
یاحبذا محمد من جار''

(۶) مدینہ طیبہ تشریف آوری کے اس دل کش ودل نشین احوال کو بیان کرنے کے بعد حجۃ الوداع کے قیام کی منظر نگاری بھی دیدنی ہے،اب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جہاں

سے رُخصت ہے۔ عبارتِ رضؔا بریلوی میں چاشنی ولطافت اور سلاست وروانی کے ساتھ ساتھ حزنیہ پہلو بھی موجود ہے جو ہمیں بھی کرب کے احساس سے آشنا کرتا ہے۔ یہ نثری شہ پارہ بھی اردوے معلا کا ایک شاہ کار ہے اس میں ہم قافیہ الفاظ کے استعمال میں نادرہ کاری بھی ہے :

”ایک دن آج ہے کہ اس محبوب کی رخصت ہے...... مجلسِ آخری وصیت ہے...... مجمع تو آج بھی وہی ہے...... بچوں سے بوڑھوں تک، مردوں سے پردہ نشینوں تک سب کا ہجوم ہے...... ندائے بلال سنتے ہی چھوٹے بڑے سینوں سے دل کی طرح بے تابانہ نکلے ہیں...... شہر بھر نے مکانوں کے دروازے کھلے چھوڑ دیے ہیں...... دل کمھلائے...... چہرے مرجھائے...... دن کی روشنی دھیمی پڑ گئی کہ آفتابِ جہاں تاب کی وداع نزدیک ہے...... آسمان پژمردہ...... زمین افسردہ...... جدھر دیکھو سناٹے کا عالم...... اتنا ازدحام اور ہُوٗ کا مقام...... آخری نگاہیں اُس محبوب کے روے حق نما تک کس حسرت ویاس کے ساتھ جاتی اور ضعفِ نومیدی سے ہلکان ہوکر بے خوٗدانہ قدموں پر گر جاتی ہیں...... فرطِ ادب سے دل بند مگر دل سے صدا بلند ؎

کنت السواد لناظری
فعمی علیک الناظر
من شآء بعدک ملیمت
فعلیک کنت احاذر

اللہ کا محبوب، امت کا راعی، کس پیار کی نظر سے اپنی پالی ہوئی بکریوں کو دیکھتا اور محبت بھرے دل سے انہیں حافظِ حقیقی کے سپرد کر رہا ہے...... شانِ رحمت کو اُن کی جدائی کا غم بھی ہے...... اور فوج فوج امنڈتے ہوئے آنے کی خوشی بھی کہ محنت ٹھکانے لگی...... جس خدمت کو ملک العرش نے بھیجا تھا باحسن الوجوہ انجام کو پہونچی۔

نوح کی ساڑھے نوسو برس کی وہ سخت مشقت...... اور صرف پچاس شخصوں کو ہدایت...... بیس تیئس ہی سال میں بحمد اللہ! یہ روز افزوں کثرت ...... کنیز وغلام جوق در جوق آرہے ہیں...... جگہ بار بار تنگ ہوتی جاتی ہے...... دفعہ دفعہ ارشاد ہوتا ہے...... آنے والوں کو جگہ دو...... آنے والوں کو جگہ دو...... اس عام دعوت پر جب مجمع ہولیا ہے...... سلطانِ عالم نے منبر پر قیام کیا ہے

......بعدِ حمد وصلاۃ اپنے نسب و نام وقوم و مقام وفضائل کا بیان ارشاد ہوا ہے
......مسلمانو! خدارا پھر مجلسِ میلاد اور کیا ہے؟......وہی دعوتِ عام وہی مجمعِ تام
...... وہی منبر وہی قیام...... وہی فضائلِ سید الانام علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلاۃ والسلام
......مجلسِ میلاد اور کس شَے کا نام......مگر نجدی صاحبوں کو مٹانے سے کام......
ور بنا الرحمٰن المستعان وبہ الاعتصام وعلیک التکلان......''

(امام احمد رضا بریلوی: جزاء اللہ بابائہٖ ختم النبوت ۱۳۱۶ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۷۰/۷۲)

(۷) امام احمد رضا بریلوی دنیا کے ایک ایسے مظلوم مفکر گذرے ہیں جن کی بے داغ شخصیت پر بے جا تنقیدات اس حد تک کی گئی ہیں جیسی کسی دوسری اسلامی شخصیت پر نہیں کی گئی ہوں گی۔ حضرت رضا بریلوی کے مخالفین ومعاندین نے آپ کی ذاتِ والا صفات کو مجروح کرنے کی نیت سے نت نئے بے بنیاد الزامات واتہامات کا یہ سلسلہ اب بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ انھیں میں سے آپ پر ایک الزام یہ عائد کیا جاتا ہے کہ آپ انگریزوں کی حمایت کیا کرتے تھے...... اس موقع پر عصرِ رواں کے معروف محقق پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی نقش بندی (افسوس! ڈاکٹر موصوف کو اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے، رب عزوجل ان کی مغفرت فرمائے، آمین) کی یہ تحریر بے اختیار نوکِ قلم پر آ گئی ہے لہٰذا اُسے نذرِ قارئین کرنا غیر مناسب نہ ہوگا۔ ڈاکٹر موصوف امام احمد رضا پر انگریز نوازی کے الزام کی سختی سے تردید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''ہاں! جس نے الزام لگایا اُس کا دامن داغ دار نظر آیا اور جس پر الزام لگایا وہ بے داغ نظر آیا...... یہ وہ مقام ہے جہاں حیرت کو حیرت ہے......''

(پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی: گناہِ بے گناہی، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۹۹۳ء، ص ۱۸)

امام احمد رضا کو انگریزوں اور ان کی مصنوعات، ادویہ، سیاہی، کپڑے اور دیگر اشیا سے بے طرح نفرت تھی حتیٰ کہ آپ ڈاک ٹکٹ بھی اُلٹا چسپاں کیا کرتے تھے کیوں کہ اس پر انگریزی حکمراں کی تصویر چھپی رہتی تھی۔ رشحاتِ رضا بریلوی سے چند عبارتیں ذیل میں نشانِ خاطر فرمائیں جن سے آپ کی انگریزوں کے تئیں شدید نفرت کا اظہار ہوتا ہے نیز یہ عبارتیں اردو ادب کا شاہ کار بھی ہیں، مسجع ومقفا جملے ہمیں اپنی گرفت میں لیتے ہیں اور بے ساختہ داد دینے کے لیے مجبور کرتے ہیں :

’’اللہ اللہ! یہ قوم...... یہ قوم، سراسر بوم...... یہ لوگ، یہ لوگ جنھیں
عقل سے لاگ......جنھیں جنون کا روگ ...... یہ اس قابل ہوئے کہ خدا پر
اعتراض کریں اور مسلمان ان کی لغویات پر کان دھریں!......انا للہ وانا الیہ
راجعون!......‘‘
(امام احمد رضا بریلوی: الصمصام علیٰ مشکک فی آیۃ علوم الارحام ۱۳۱۵ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۲۳)

(۸) انگریزی تہذیب و تمدن اور نصارا سے تشبہ کے بارے میں امام احمد رضا کا یہ تنقیدی انداز قابلِ ملاحظہ ہے :

’’نصارا کی یہ غلامی کہ پیرِ نیچر نے تھامی......لیڈر جس کے اب
زبانی شا کی ہیں اور دل سے پرانے حامی......اس کے نتائج، تشبہٗ وضع وتحقیرِ
شرع......شیوعِ دہریت وفروغِ نیچریت مطابقی نہ تھے بلکہ التزامی......‘‘
(امام احمد رضا بریلوی: المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ ۱۳۳۹ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۲۴)

(۹) امام احمد رضا کی خصوصیات میں سب سے نمایاں آپ کا عشقِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں والہانہ وفدا کارانہ سرشار رہنا ہے۔علاوہ ازیں آپ کی حیاتِ طیبہ کے نصب العین میں یہ بھی ہے کہ حضور ختمیِ مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا کلمات کہنے اور لکھنے والوں کا تعاقب کرنا۔آپ کا قلم ایسے افراد کے لیے برہنہ شمشیر کا درجہ رکھتا تھا۔نگارشاتِ رضا میں جہاں عشق ہی عشق کے جلوے بکھرے نظر آتے ہیں وہیں گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکوبی کا کاٹ دار لب ولہجہ بھی عیاں ہوتا ہے۔امام احمد رضا نے اپنے اس خاص مشغلہ کو بہ طورِ تحدیثِ نعمت اپنی نظم ونثر دونوں میں بیان کیا ہے۔اندازِ بیان میں سلاست وصفائی، اظہارِ صداقت میں بانکپن اور زبان کے استعمال میں ادیبانہ مہارت و ہنرمندی کے گل بوٹے لائقِ دید ہیں :

’’حضراتِ نجدیہ خدارا انصاف! کیا افعالِ عبادت سے بچنا انبیا
واولیا ہی کے معاملہ سے خاص ہے۔آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ شرک
کے کام جائز نہیں۔جو شرک ہے ہر غیر خدا کے ساتھ شرک ہے تو آپ حضرات
جب اپنے کسی نذیر بشیر یا پیر فقیر یا مرید رشید یا دوست عزیز کے یہاں جایا کیجیے
تو راستے میں لڑتے جھگڑتے، ایک دوسرے کا سر پھوڑتے، ماتھا رگڑتے چلا
کیجیے۔ورنہ دیکھو کھلّم کھلاّ مشرک ہوجاوگے۔ہرگز مغفرت کی بُو نہ پاؤ گے کہ
تم نے غیرِ حج کی راہ میں ان باتوں سے بچ کر وہ کام کیا جو اللہ نے اپنی عبادت
کے لیے اپنے بندوں کو بتایا تھا اور اس جوتی پیزار میں یہ نفع کیسا ہے کہ ایک کام

میں تین مزے، جلال ہونا تو خود ظاہر اور جب بلاوجہ ہے تو فسوق بھی حاضر اور رفث کے معنی نامعقول بات کے ٹھہرے تو وہ بھی حاصل؛ ایک ہی بات میں ایمانِ نجدیت کے تینوں رکنِ کامل ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم۔ الحمدللہ خامۂ برق بارِ رضا خرمن سوزیِ نجدیت میں سب سے نرالا رنگ رکھتا ہے۔ والحمدللہ رب العالمین۔''

(امام احمد رضا بریلوی: منیۃ اللبیب ان التشریع بیدالحبیب ۱۳۱۱ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۲۰)

(۱۰) ندوۃ العلماء لکھنو کا جب قیام عمل میں لایا گیا تو اس کے آغاز میں ہوئی نشست میں امام احمد رضا بریلوی نے بھی شرکت کی لیکن بعد میں ندوۃ العلماء کی آزاد خیالی اور بڑھتی ہوئی گمراہیت سے امام احمد رضا نے علاحدگی اختیار کر لی اور امتِ مسلمہ کو اس کی ضلالت و گمرہی سے آگاہ فرماتے ہوئے تحریکِ ردِ ندوہ چلائی۔ ردِ ندوہ پر لکھی گئی ایک کتاب کی عبارتِ ذیل اردوے معلا اور مقفا نثر کا اعلا نمونہ ہے۔ بے ساختگی، برجستگی، محاورات اور زورِ بیان کے اعتبار سے یہ عبارت قاری کو اپنی طرف کھینچتی ہے :

''مسلمانو! بحمداللہ تعالیٰ اس فتوے نے حجتِ الٰہیہ قائم کر دی ندوہ و ندویان و جملہ مبتدعان کی اندرونی و بیرونی ضلالتوں کی جڑ کاٹ دی...... گردن کتر دی...... اب جو نہ دیکھے...... کان نہ دھرے...... حق سمجھنے کا قصد نہ کرے ...... روزِ قیامت اس کے لیے کوئی عذر نہ ہوگا...... دنیا چند روزہ ہے...... واحدِ قہار سے کام پڑتا ہے...... للہ! ایک ذرا تعصب و سخن پروری سے جدا ہو کر تفکر کرو...... تنہائیِ قبر و ہنگامۂ محشر کا تصور کرو...... اس دن نامۂ اعمال کھولے جائیں گے...... اس بھڑکتی آگ کو سامنے لائیں گے...... اہلِ سنت نجات پائیں گے...... ان کے مخالف نارِ جہنم میں دھکّے کھائیں گے...... مخالفوں کے ساتھی مخالفوں کے ساتھ ایک رسی میں باندھے جائیں گے...... آنریری، مجسٹریٹی، ڈپٹی کلکٹری، ججی وغیرہ منصب کام نہ آئیں گے...... صدارت، نظامت، رکنیت وغیرہا یہ سب بکھیڑے یہیں رہ جائیں گے...... ہر ایک اپنی اکیلی جان سے، اپنے اعمال، اپنے ایمان سے بارگاہِ عدالت میں حاضر ہوگا ...... ہر دل کا راز ظاہر ہوگا...... کوئی جھوٹا حیلہ ہرگز نہ چلے گا...... بات بنانے کو راستہ نہ ملے گا...... عالم الغیوب سوال کرے گا...... دانائے قلوب اظہار لے گا

......وہاں یہ کہتے نہ بنے گی ہم غافل تھے...... کچھ مولویوں نے بہکا دیا، ہم جاہل تھے......آج کام اپنے اختیار میں ہے......رحمتِ الٰہی توبہ کے انتظار میں ہے......للہ! انصاف کی آنکھ کھولو......حق و باطل میزانِ عقل میں تولو......وہ کام کر چلو کہ بول بالا ہو......اللہ و رسول سے منہ اُجالا ہو......دیکھو دیکھو! آنکھ کھول کر دیکھو!...... یہ مبارک تحقیقیں...... یہ مقدس تصدیقیں......تمہارے معبودِ عظیم کے شہر سے آئیں......تمہارے نبیِ کریم کے شہرِ اطہر سے آئیں...... سلیس اردو میں ترجمہ ہو گیا......حق کا آفتاب بے پردہ و بے حجاب جلوا نما ہو گیا ......اب اگر آنکھ اٹھا کر نظر نہ ڈالو......اپنی اندھیری کوٹھری سے سر باہر نہ نکالو ......تو تمہیں کہو کہ کیا عذر کرو گے......واحدِ قہار کو کیا جواب دو گے................ ......گھنٹوں بلکہ مہینوں قانون کا نؤن، دنیوی فنون یا ناولوں افسانوں اخباروں دیوانوں کے مطالعہ میں گذارتے ہو......خدا کو مان کر، قیامت کو حق جان کر ایک نظر ادھر بھی......مگر اس کے ساتھ تعصب و نفسانیت سے قطعِ نظر بھی...... خدا نے چاہا تو یہ اوراق تمہیں بہت کام آئیں گے...... بڑے ہول ناک صدموں کے دن سے بچائیں گے...... پھر بھی اگر نازک مزاجی آڑے آئے ......مرزا منشی اپنا رنگ جمائے کہ کون اتنے اجزا دیکھنے میں وقت گنوائے......تو جانے دو یہ تمہارا ہی خواہ تمہارا خیر طلب ایک بہت آسان طریقے سے عارضِ مطلب......مختصر خلاصہ حاضر کرتا ہے......اب اس کے دیکھنے میں کیا دن گذرتا ہے اسی کے ملاحظہ سے عقائد و اعمال کی تصحیح کیجیے......''

(امام احمد رضا بریلوی: فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین ۱۳۱۷ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی ۱۹۹۸ء، ص ۲/۴)

(۱۱) قدیم نثر کی ایک قسم مقفا نگاری ہے۔اسے لکھنے کے لیے زیادہ علم اور مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔امام احمد رضا بریلوی کو مقفا نثر لکھنے میں مہارتِ تامہ حاصل تھی۔لیکن اس کے لیے جتنا وقت چاہیے تھا وہ آپ کے پاس نہیں تھا۔پھر بھی آپ کا اسلوب انتہائی نکھرا ہوا ہے، حیرت ہوتی ہے کہ یہ ایک عالم کی نگارشات ہیں یا ادیبِ کامل کی......مندرجۂ بالا عبارات میں مقفا نثر کے نمونے موجود ہیں ذیل میں مزید چند مثالیں ہدیۂ ناظرین ہیں :

(الف): ''وہی دعوتِ عام وہی مجمعِ تام...... وہی منبر وہی قیام...... وہی فضائلِ سید الانام علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام ......مجلسِ میلاد اور کس شَے

کا نام......مگر نجدی صاحبوں کو مٹانے سے کام...... وربنا الرحمٰن المستعان وبہ الاعتصام وعلیک التکلان......''

(امام احمد رضا بریلوی: جزاء اللہ بابائہ ختم النبوت ۱۳۱۶ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۷۲)

(ب): ''نصوص کے دریا ہیں چھلکتے......اور حبِّ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاند چمکتے......اور تعظیم حضور کے سورج دمکتے......اور ایمان کے تارے جھلکتے......اور حق کے باغ مہکتے......اور تحقیق کے پھول لہکتے......اور ہدایت کے بلبل چہکتے...... اور نجدیت کے کوّے سسکتے...... اور وہابیت کے بوم بلکتے......اور مذبوح گستاخ پھڑکتے......''

(امام احمد رضا بریلوی: خالص الاعتقاد ۱۳۲۸ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۴۷)

(ج): ''اس دارِ ناپائدار سے رخصت ہوتے...... مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز پسر......بتولِ زہرا کے لختِ جگر......علیِ مرتضیٰ کے نورِ نظر...... حسن و حسین کے قرۃ بصر......محیِ سنت ابی بکر و عمر......صلی اللہ تعالیٰ علیٰ الحبیب وعلیہم وسلم......''

(امام احمد رضا بریلوی: انہار الانوار من یم الصلاۃ الاسرار ۱۳۲۸ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۴۷)

(د): ''ایک اور تین میں فرق نہ جانیں...... ایک خدا کے تین مانیں...... پھر ان تین کو ایک ہی جانیں...... بے مثل بے کفو کے لیے بیٹا ٹھہرائیں.................وہ بندے جو اپنے ہی خدا کا خون چکھیں......اس کے گوشت پر دانت رکھیں......''

(امام احمد رضا بریلوی: الصمصام علیٰ مشکک فی آیۃ علوم الارحام ۱۳۱۵ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۱۸)

(ہ): ''تحریرِ مذکور صواب سے بے گانہ...... فقاہت سے برکرانہ...... محض بے بنیاد کورانہ ہے۔''

(امام احمد رضا بریلوی: فتاویٰ رضویہ مترجم، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۴ء، ج ۳، ص ۲۳۸)

(و): ''نہ ایسی نقلِ مجہول کسی طرح قابلِ قبول......نہ ایسا ناقل التفات کے قابل......نہ اس پر شرع سے کوئی دلیل اور قولِ بے دلیل مردود و ذلیل......''

(امام احمد رضا بریلوی: فتاویٰ رضویہ مترجم، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۴ء، ج ۳، ص ۲۳۸)

(ز): ''نہیں معلوم کیسی کتاب...... کس کی کتاب...... اُس کی کیا عبارت، کیا مفاد...... ناقل نے کیا سمجھا، کیا مراد...... خود ناقل کو جزم نہ

اعتماد...... کہ طرزِ بیان سے تبرّی عہدہ مستفاد......''

(امام احمد رضا بریلوی: فتاویٰ رضویہ مترجم، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۴ء، ج ۳، ص ۴۳۸)

(ح): ''الحمدللہ آفتابِ عالم تاب...... حق وصواب...... بے نقاب و حجاب، شک وارتیاب جلوہ فرمائے منظرِ احباب ہوا...... اب کیا حاجت کہ حشویاتِ زائدہ ولغویاتِ بے فائدہ کے ردوابطال میں تضیعِ وقت کیجیے......''

(امام احمد رضا بریلوی: وصاف الرجیح فی بسملۃ التراویح ۱۳۱۲ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۶۵)

(ط): ''یہ کنچھیاں جو اَب پھوٹیں، جب کہاں تھیں؟...... یہ پتّیاں جو اَب نکلیں، پہلے کیوں نہاں تھیں؟...... یہ پتلی پتلی ڈالیاں جو اَب جھومتی ہیں، نَو پیدا ہیں...... یہ ننھی کلیاں جو اَب مہکتی ہیں تازہ جلوانما ہیں......''

(امام احمد رضا بریلوی: اقامۃ القیامہ علیٰ طاعن القیام لنبی التہامہ ۱۲۹۹ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۵۸)

(ی): ''نصارا کی یہ غلامی کہ پیرِ نیچر نے تھامی...... لیڈر جس کے اب زبانی شاکی ہیں اور دل سے پرانے حامی...... اس کے نتائج، تشبہُ وضع وتحقیرِ شرع...... شیوعِ دہریت وفروغِ نیچریت مطابقی نہ تھے بلکہ التزامی......''

(امام احمد رضا بریلوی: المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ ۱۳۳۹ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۲۳)

(ک): ''مسلمان صحیح العقیدہ ان کی طرف التفات ہی کیوں کریں؟ ایسوں کا علاج حضور میں خاموشی...... اور غیبت میں فراموشی...... اوراُٹھتے بیٹھتے ہر وقت ہر حال اپنے محبوبِ بے مثال صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ پاک کی زیادہ گرم جوشی......''

(امام احمد رضا بریلوی: الامن والعلیٰ لناعتی المصطفےٰ بدافع البلا ۱۳۱۱ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۶/۵)

(۱۲) امام احمد رضا محدث بریلوی کو اردو، عربی، فارسی زبانوں پر یک ساں ملکہ حاصل تھا۔ آپ نے اپنی نثر میں عربی اور فارسی الفاظ وتراکیب کا بڑی خوب صورتی سے استعمال کیا ہے۔ عربی و فارسی تراکیب کے استعمال کے باوجود اردو کی یہ نثر قاری پر بوجھل محسوس نہیں ہوتی بل کہ وہ اس طرزِ اظہار سے مکمل طور پر لطف اندوز ہوتا ہے:

''زیرِ نظر مسئلہ کے متعلق سرائے سخن کے کناروں سے دو چمکتے ہوئے ستارے لائے ہیں...... ایک کالشّمس والضحٰہا اور دوسرا کالقمر اذا تلٰہا...... جو شخص صحت مند آنکھ اور قابلِ نورعلم رکھتا ہے اس کی بصارت وبصیرت کو ان

ستاروں کی کاشفِ ظلمات وتجلیات سے اچھی طرح کامیابیاں مہیّا اور مبارک
ہوں......''

(امام احمد رضا بریلوی: مجموعۂ رسائل نور اور سایا، رضا اکیڈمی، ممبئ، ۱۹۹۸ء، ص ۱۲۹)

(۱۳) امام احمد رضا محدث بریلوی کی نثر کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ ابہام کے عیب سے پاک ہے۔ انہوں نے ابوالکلام آزاد کی طرح الفاظ وتراکیب کی بھول بھلیاں بنا کر اپنی نثر کو چیستاں نہیں بنایا، جو بات ہے صاف ہے، جو مسئلہ ہے واضح ہے۔ ایک اچھی اور عمدہ نثر کی یہی سب سے بڑی خوبی ہے کہ قاری فہمِ معنی میں دقت نہ محسوس کرے۔ نثرِ رضا کا عام رنگ یہ ہے :

''آج کل بہت بے علم اس مضمضہ کے معنی کلّی کے سمجھتے ہیں۔
کچھ پانی منہ میں لے کر اُگل دیتے ہیں کہ زبان کی جڑ اور حلق کے کنارے تک نہیں پہنچتا۔ یوں غسل نہیں اُترتا نہ اس غسل سے نماز ہو سکے، نہ مسجدوں میں جانا جائز ہو، بل کہ فرض ہے کہ داڑھوں کے پیچھے گالوں کی تہہ میں، دانتوں کی جڑ میں، دانتوں کی کھڑکیوں میں، حلق کے کنارے تک ہر پُرزے پر پانی بہے، یہاں تک کہ اگر کوئی سخت چیز پانی کے بہنے کو روکے گی دانتوں کی جڑ یا کھڑکیوں میں حائل ہے تو لازم ہے کہ اس کو جدا کر کے کلّی کرے؛ ورنہ غسل نہ ہوگا۔ ہاں! اگر اس کے جدا کرنے میں حرج وضرر واذیت ہو جس طرح پانوں کی کثرت سے جڑوں میں چونا جم کر متحجر ہو جاتا ہے کہ جب تک زیادہ ہو کر آپ ہی جگہ نہ چھوڑے، چھڑانے کے قابل نہیں ہوتا۔ یا ان عورتوں کے دانتوں میں مسّی کی ریخیں جم جاتی ہیں کہ ان کے چھیلنے میں دانتوں یا مسوڑھوں کی مضرّت کا اندیشہ ہے تو جب تک یہ حالت رہے گی معافی ہوگی۔''

(امام احمد رضا بریلوی: تبیان الوضوء ۱۳۱۴ھ، رضا اکیڈمی، ممبئ، ۱۹۹۸ء، ص ۵/۶)

(۱۴) امام احمد رضا بریلوی نے ایک ہزار کے لگ بھگ کتابیں تصنیف فرمائیں تو آپ یہ نہ سمجھیں کہ انہوں نے اپنی بات کو جگہ جگہ زبردستی طول دیا ہوگا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ یہ تو امام احمد رضا محدث بریلوی کی عادتِ کریمہ تھی کہ مسئلہ کا کوئی بھی پہلو تشنہ نہیں چھوڑتے تھے سائل کی ہر طرح سے تسلی وتشفی ہو جائے؛ یہ بات ہمیشہ ان کے پیشِ نظر رہا کرتی تھی۔ لیکن بات کو اختصار وجامعیت کے ساتھ ختم کرنے کا پہلے خیال رکھتے تھے۔ ایسی مثالیں تو بہ کثرت ہیں۔ یہاں صرف ایک ہی مثال پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

ایک استفتا آیا کہ زید کی ران میں پھوڑا یا کوئی اور بیماری ہے ڈاکٹر کہتا ہے پانی یہاں نقصان کرے گا۔ مگر صرف اسی جگہ پر مضر ہے اور بدن پر ڈال سکتا ہے۔ اس حالت میں وضو یا غسل کے لیے تیمّم درست ہے یا نہیں؟............اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنے اور حسبِ عادت حوالوں کی کثرت سے جواب خاصا طویل ہو گیا ہے لیکن نفسِ مسئلہ کا جواب اس قدر ہے جو کہ قابلِ مطالعہ ہے جس سے امام احمد رضا کی فقہی بصیرت و بصارت کا پتہ چلتا ہے اور کم سے کم جملوں میں جامعیت کے ساتھ طول طویل مفہوم کو آسانی سے قلم بند کرنے کی صلاحیت کا ادراک بھی ہوتا ہے۔ جو کہ آپ کی قادرالکلامی کی بین دلیل ہے :

''الجواب: صورتِ مسئولہ میں غسل یا وضو کسی کے لیے تیمّم جائز نہیں، وضو کے لیے تو نہ جائز ہونا ظاہر کہ ران کو وضو سے کوئی علاقہ نہیں اور غسل کے لیے یوں ناروا کہ اکثر بدن پر پانی ڈال سکتا ہے۔ لہٰذا وضو تو بلا شبہ تمام وکمال کرے اور غسل کی حاجت ہو تو مضرّت اگر صرف ٹھنڈا پانی کرتا ہے گرم نہ کرے اور اسے گرم پانی پر قدرت ہے تو بے شک پورا غسل کرے۔ اتنی جگہ کو گرم پانی سے دھوئے۔ باقی بدن گرم یا سرد جیسے سے چاہے اور اگر ہر طرح پانی مضر ہے، یا اگر مضر تو نہ ہوگا مگر اسے اس پر قدرت نہیں تو ضرر کی جگہ بچا کر باقی بدن دھوئے اور اس موضع پر مسح کرے، اور اگر وہاں مسح بھی نقصان دے، مگر وہ دوا یا پٹی کے حائل سے پانی کی دھار بہا دینی مضر نہ ہوگی تو وہاں اس حائل پر ہی بہا دے، باقی بدن بدستور دھوئے اور اگر حائل پر بھی پانی بہانا مضر ہو تو دوا یا پٹی پر مسح ہی کر لے۔ اگر اس سے بھی مضرّت ہو تو اتنی جگہ خالی چھوڑ دے۔ جب وہ ضرر دفع ہوتا جتنی بات پر قدرت ملتی جائے بجالاتا جائے۔''

(امام احمد رضا بریلوی: فتاویٰ رضویہ مترجم، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۴ء، ج ا۔ ص ۴۶۱)

(۱۵) ۱۸۹۷ء میں ایک عیسائی پادری نے اعتراض کیا کہ قرآن مجید میں تو ہے کہ زچّہ کے پیٹ کا حال کوئی نہیں جانتا کہ لڑکا ہے یا لڑکی۔ حال آں کہ ہم نے ایک آلہ ایجاد کیا ہے جس سے یہ رازِ سربستہ معلوم ہو جاتا ہے۔ پادری کی باتوں سے ایک مسلمان کے ایمان میں شک وشبہ پیدا ہو گیا اور اندیشہ تھا کہ وہ کہیں مرتد نہ ہو جائے، چناں چہ خلیفۂ اعلاحضرت؛ حضرت قاضی عبدالوحید فردوسی، مدیر تحفۂ حنفیہ، پٹنہ (والدِ گرامی محقق و ناقد قاضی عبدالودود صاحب) نے آپ کی بارگاہ میں ایک استفتا ارسال کیا جس کے جواب میں آپ نے ایک رسالہ تصنیف فرما کر مسئلے

کے تمام پہلوؤں پر عالمانہ بحث فرمائی اور قاہرانہ دلائل پیش کیے اور آخر میں عیسائیوں کے بے سروپا عقائد پر زبردست فکری تنقید کی۔ ذیل کی عبارت میں سلاست وروانی اور فکری جولانی پر خاص توجہ دیجیے۔ یہاں امام احمد رضا ایک مفتی کے ساتھ قادرالکلام ادیب وانشاپرداز نظر آتے ہیں:

''سبحان اللہ! اللہ کہاں...... رب السمٰوٰت والارض...... عالم الغیب والشہادۃ سبحٰنہٗ وتعالیٰ اور کہاں کوئی بے تمیز...... لونگا...... ہیولیٰ...... ہنّقہ...... ناپاک...... ناشایستہ...... کھڑے ہوکر موتنے والا ع

ببیں کہ از کہ بریدی و با کہ پیوستی

خدارا! انصاف وہ عقل کے دشمن...... دین کے رہِ زن...... جنم کے کودن...... ایک اور تین میں فرق نہ جانیں...... ایک خدا کے تین مانیں...... پھر ان تین کو ایک ہی جانیں...... بے مثل...... بے کفو کے لیے جورو بتائیں...... بیٹا ٹھہرائیں...... اس کی پاک بندی، ستھری، کنواری، پاکیزہ، بتول مریم پر ایک بڑھئی کی جورو ہونے کی تہمت لگائیں...... پھر خاوند کی حیات...... خاوند کی موجودگی میں جو بچہ ہوا اُسے دوسرے کا گائیں...... خدا اور خدا کا بیٹا ٹھہرا کر...... ادھر کافروں کے ہاتھ سے سولی دلوائیں...... ادھر آپ اس کے خون کے پیاسے، بوٹیوں کے بھوکے...... روٹی کو اس کا گوشت بنا کر دَردَر چبائیں...... شرابِ ناپاک کو اس پاک معصوم کا خون ٹھہرا کر غٹ غٹ چڑھائیں...... دنیا یوں گزری...... ادھر موت کے بعد کفارے کو اسے بھینٹ کا بکرا بنا کر جہنم بھجوائیں...... لعنتی کہیں، ملعون بنائیں...... اے سبحان اللہ! اچھا خدا جسے سولی دی جائے...... عجب خدا جسے دوزخ جلائے...... طرفہ خدا جس پر لعنت آئے...... جو بکرا بنا کر بھینٹ دیا جائے...... اے سبحان اللہ! باپ کی خدائی اور بیٹے کو سولی...... باپ خدا؛ بیٹا کس کھیت کی مولی؟...... باپ کے جہنم کو بیٹے ہی سے لاگ...... سرکشوں کی چھٹی، بے گناہ پر آگ...... امتی ناجی...... رسول ملعون...... معبود پر لعنت...... بندے مامون...... تف تف!...... وہ بندے جو اپنے ہی خدا کا خون چکھیں...... اس کے گوشت پر دانت رکھیں...... اُف اُف!...... وہ گندے جو انبیا و رسل پر وہ الزام لگائیں کہ بھنگی چمار بھی جن سے گھن

کھائیں...... سخت فحش بے ہودہ کلام گڑھیں...... اور کلامِ الٰہی ٹھہرا کر پڑھیں......زہ زہ بندگی!......خہ خہ تعظیم!......پہ پہ تہذیب!......قہ قہ تعلیم!......"

(امام احمد رضا بریلوی: الصمصام علیٰ مشکک فی آیۃ علوم الارحام ۱۳۱۵ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۱۸)

(۱۶) ایک فلسفی عالم مولوی محمد حسن سنبھلی نے "المنطق الجدید لناطق النالۂ الحدید" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں غیر اسلامی اور خالص فلسفیانہ نظریات پُر زور انداز میں بیان کیے۔ فلسفیوں کا عقیدہ ہے کہ خالقِ کائنات واحد جل جلالہٗ کے علاوہ اور دس خالق ہیں۔ (معاذ اللہ)......اس باطل عقیدے کی امام احمد رضا بریلوی نے دھجیاں بکھیرتے ہوئے فلاسفہ کے رد میں ایک جامع کتاب "مقامع الحدید علیٰ خدِ المنطق الجدید ۱۴۰۴ھ" تحریر فرمائی۔ جس میں بڑی حسین و جمیل ترتیب کے ساتھ احسن الخالقین اللہ جل شانہٗ کی عظمتوں کا بیان کرتے ہوئے؛ یہ بتایا ہے کہ اللہ عزوجل کس طرح ایک انسان کو بناتا ہے اور اس کے اندر اپنی قدرتِ کاملہ سے روح ڈالتا ہے؟ نیز نظامِ انہضام کس کی عطا سے ہوتا ہے؟ ذیل کی عبارتِ رضا سے آپ کی اعلا سائنسی بصیرت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ موضوع بہ ظاہر خشک ہے لیکن امام احمد رضا محدث بریلوی جیسے قادر الکلام ادیب نے ادبی چاشنی و لطافت سے اسے پُر لطف بنا دیا ہے۔ یہ بھی نگارشاتِ رضا کا ایک عمدہ ادب پارہ ہے :

"ہر بدن میں اس کے کام؛ کہ غذا پہنچاتا ہے...... پھر اسے روکتا ہے...... پھر ہضم بخشتا ہے...... پھر سہولتِ دفع کو پیاس دیتا ہے...... پھر پانی پہنچاتا ہے...... پھر اس کے غلیظ کو رقیق، لَزِج کو مُنزَلِق کرتا ہے...... پھر ثُفلِ کیلوس کو امعا کی طرف پھینکتا ہے...... پھر ماءِ ساریقا کی راہ سے، خالص کو جگر میں لے جاتا...... وہاں کیموس دیتا ہے...... تلچھٹ کا سودا، جھاگوں صفرا، کچے کا بلغم، پکے کا خون بناتا ہے......فضلہ کو مثانہ کی طرف پھینکتا ہے...... پھر انھیں باب الکبِد کے راستہ سے عروق میں بہاتا ہے...... پھر وہاں سہ بارہ پکاتا ہے...... بے کار کو پسینہ بنا کر نکالتا ہے......عطر کو بڑی رگوں سے جَداوِل، جَداوِل سے سَواقی، سَواقی سے باریک عروق، پیچ در پیچ، تنگ بر تنگ راہیں چلاتا ہوا، رگوں کے دہانوں سے اعضا پر اونڈیلتا ہے...... پھر یہ مجال نہیں کہ ایک عضو کی غذا دوسرے پر گرے...... جو جس کے مناسب ہے اُسے پہنچاتا ہے ......پھر اعضا میں چوتھا طبخ دیتا ہے کہ اس صورت کو چھوڑ کر صورتِ عضویہ لیں

...... ان حکمتوں سے، بقاے شخص کو، ماتحلّل کو عوض بھیجتا ہے...... جو حاجت سے بچتا ہے اُس سے بالیدگی دیتا ہے...... اور وہ ان طریقوں کو محتاج نہیں، چاہے تو بے غذا ہزار برس جلائے، اور نُمائے کامل پر پہنچائے...... پھر جو فضلہ رہا اُسے منی بنا کر صُلب وتَرائب میں رکھتا ہے...... عَقد وانعقاد کی قوت دیتا ہے ...... زن و مرد میں تالیف کرتا ہے...... عورت کو باوجود مشقتِ حمل وصعوبتِ وضع، شوق بخشتا ہے...... حفظِ نوع کا سامان فرماتا ہے...... رحم کو اذنِ جذب دیتا ہے...... پھر اُس کے امساک کا حکم کرتا ہے...... پھر اسے پکا کر خون بناتا ہے ...... طَبخ دے کر گوشت کا ٹکڑا کرتا ہے...... پھر اُس میں کلیاں، کنچھیاں نکالتا ہے...... قسم قسم کی ہڈیاں، ہڈیوں پر گوشت، گوشت پر پوست، سیکڑوں رگیں، ہزاروں عجائب...... پھر جیسی چاہے تصویر بناتا ہے...... پھر اپنی قدرت سے رُوح ڈالتا ہے...... بے دست و پا کو اِن ظلمتوں میں رزق پہنچاتا ہے...... پھر قوت آنے کو، ایک مدت تک روکے رہتا ہے...... پھر وقتِ معین پر حرکت و خروج کا حکم دیتا ہے...... اُس کے لیے راہ آسان فرماتا ہے...... مٹی کی مُورت کو پیاری صورت، عقل کا پُتلا، چمکتا تارا، چاند کا ٹکڑا دکھاتا ہے...... فَتَبٰرَکَ اللہ اَحسَنُ الخَالِقِین ...... اور وہ ان باتوں کا محتاج نہیں، چاہے تو کروروں انسان پتھر سے نکالے، آسمان سے برسالے......

ہاں! بتاؤ وہ کون ہے جس کے یہ سب کام ہیں؟...... فَسَیَقُولُونَ اللہ...... اب کہا چاہتے ہیں کہ اللہ...... تو فرما پھر ڈرتے کیوں نہیں؟......

آمنّا بِاللہِ وَحدَہٗ ...... آہ آہ!! اے مُتفلسِف مِسکین! کیوں اب بھی یقین آیا یا نہیں کہ تدبیر وتصرف اسی حکیم علیم کے کام ہیں؟...... جل جلالہٗ و عمّ نوالہٗ...... فبایِّ حدیثٍ بعدہٗ یؤمنون......"

(امام احمد رضا بریلوی: مقامع الحدید علیٰ خد المنطق الجدید ۱۳۰۴ھ، المجمع الاسلامی، مبارکپور ۱۹۸۶ء، ص ۱۶/ ۱۷)

(۱۷) مروجہ تعزیہ داری جیسی بدعت کی امام احمد رضا بریلوی نے زبردست مخالفت فرمائی اور آپ نے اپنی ایک کتاب میں اس کی خوب خبر لی۔ عبارتِ ذیل قابلِ مطالعہ اور اردو کا ایک بہترین شہ پارہ ہے اس میں آپ نے جا بجا مقفا جملوں کو برجستہ استعمال کر کے اس عبارت کو اردو نثر کا حسین ترین گل دستہ بنا دیا ہے :

''ہر جگہ نئی تراش، نئی گڑھت...... جسے اُس نقل سے کچھ علاقہ نہ نسبت ...... پھر کسی میں پریاں ہیں کسی میں بُراق...... کسی میں اور بے ہودہ طمطراق......پھر کوچہ بہ کوچہ اشاعتِ غم کے لیے اُن کا گشت......اور ان کے گرد سینہ زنی و ماتم سازی کی شور افگنی...... کوئی تصویروں کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے کوئی مشغولِ طواف......کوئی سجدے میں گرا ہے کوئی ان مایۂ بدعات کو معاذ اللہ! جلوہ گاہِ حضرت امام علیٰ جدہٖ وعلیہ الصلاۃ والسلام سمجھ کر اس ابرک پنّی سے مرادیں مانگتا، منّتیں مانتا، حاجتِ روا جانتا ہے...... پھر باقی تماشے باجے تاشے مردوں عورتوں کا راتوں کو میل اور طرح طرح کے بے ہودہ کھیل اس پر طرہ ہیں......''

چند سطروں بعد مزید راقم ہیں :

''اب بہارِ عشرہ کے پھول کھلے، تاشے باجے، بجتے چلے طرح طرح کے کھیلوں کی دھوم...... بازاری عورتوں کا ہر طرف ہجوم......شہوانی میلوں کی پوری رسوم......جشن یہ کچھ، اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ کہ گویا یہ ساختہ تصویریں بعینہٖ حضراتِ شہداے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے جنازے ہیں...... کچھ نوچ اتار باقی توڑ تاڑ، باقی دفن کر دیے، یہ ہر سال اضاعتِ مال کے جرم و وبال جداگانہ ہیں......اللہ تعالیٰ صدقہ حضرات شہداے کربلا علیہم الرضوان والثنا کا ہمارے بھائیوں کو نیکیوں کی توفیق بخشے اور بری باتوں سے توبہ عطا فرمائے (آمین)......''

(امام احمد رضا بریلوی: اعالی الافادۃ فی تعزیۃ الہند و بیان الشہادۃ ۱۳۲۱ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی ۱۹۹۸ء، ص ۴/۵)

(۱۸) امام احمد رضا محدث بریلوی بریلوی طبعاً عربی و فارسی پسند تھے۔ آپ کے رشحاتِ خامہ میں اس کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ علاوہ ازیں آپ عام ہندوستانی بول چال کے الفاظ کے استعمال پر بھی قدرت رکھتے تھے اور موقع محل کے اعتبار سے روزمرہ کی زبان میں بھی بلا تکلف گفتگو کر سکتے تھے، شاعری کی طرح آپ کے نثری اثاثے میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں، سلاست و روانی سے بھرپور عبارتِ ذیل نشانِ خاطر ہو :

''حال کے زمانہ میں بھی اکثر صنّاع ایسی ایسی چڑیاں بنا لیتے ہیں کہ بولتی بھی ہیں، ہلتی بھی ہیں......دُم بھی ہلاتی ہیں......اور میں نے سُنا ہے

بعض چڑیاں کَل کے ذریعہ سے پرواز بھی کرتی ہیں......بمبئی اور کلکتّے میں ایسے کھلونے بہت بنتے ہیں اور ہر سال نئے نئے آتے ہیں......''

(امام احمد رضا بریلوی: اعالی الافادۃ فی تعزیۃ الہند و بیان الشہادۃ ۱۳۲۱ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی ۱۹۹۸ء، ص ۶۱)

(۱۹) امام احمد رضا جیسے دین کے داعی و مبلغ، مفسر و محدث اور مجدّدِ دین کو اپنی گونا گوں مصروفیات کے ہوتے اتنی فرصت نہیں رہا کرتی تھی کہ وہ اپنے اسلوبِ نگارش کو نکھارنے اور سنوارنے کی طرف توجہ فرماتے مگر آپ کی تصانیف کے مطالعہ کے بعد یہ خیال تقویت پاتا جاتا ہے کہ آپ نے بلند پایہ کی نثر نگاری کی ہے۔ اور یہ کہ آپ کا پیرایۂ زبان و بیان نکھرا اور ستھرا ہوا ہے۔ اسی طرح نثر میں شاعری کرنے پر امام احمد رضا کو عبورِ کامل حاصل تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کی بیش تر کتب میں متعدد ایسی عبارتیں ہیں جن میں شاعرانہ فضا موجود ہے۔ جن میں پیکر تراشی اور جمالیاتی حُسن کے پُر کیف مناظر آپ نے سمو دیے ہیں کہ قاری لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا :

''تجلیِ جمال کے آثار سے لطف و نرمی......راحت و سکون و نشاط و انبساط ہے...... جب یہ قلبِ عارف پر واقع ہوتی ہے......دل خود بہ خود ایسا کھل جاتا ہے......جیسے ٹھنڈی نسیم سے تازہ کلیاں یا بہار کے مینہہ سے درختوں کی کنچھیاں اور تجلیِ جلال کے آثار سے قہر و گرمی و خوف و تعب، جب اس کا ورُود ہوتا ہے......قلب بے اختیار مُرجھا جاتا ہے...... بلکہ بدن گھلنے لگتا ہے......''

(امام احمد رضا بریلوی: کشفِ حقائق و اسرار و دقائق ۱۳۰۸ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص ۴)

(۲۰) اسی طرح یہ عبارت بھی قابل مطالعہ ہے :

''وہی آن نور ہے جب قریبِ افق جانبِ مشرق سے طولانی شکل پر چمکتا ہے، اس کا صبحِ اوّل نام رکھتے ہیں...... جب پھیلتا ہے، وہی صبحِ صادق ہوتی ہے......پھر جب سُرخی لاتا ہے، وہی شفق ہے...... جب دن نکلتا ہے، وہی دھوپ ہے......''

(امام احمد رضا بریلوی: کشفِ حقائق و اسرار و دقائق ۱۳۰۸ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص ۵)

(۲۱) ۱۹۲۱ء میں مسٹر موہن داس کرم چند گاندھی کی تحریکِ ترکِ موالات کو بعض مسلم نیتاؤں نے دین و اسلام اور قرآن و سنت سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے گاندھی کو اپنا رہِ بر و پیشوا بنا کر اُس کے زیرِ سایہ کام کرتے رہے۔ اس دوران جب کچھ مسلم دشمن ہندوؤں کی گرفتاری عمل میں آئی تو بعض ناعاقبت اندیش مسلمانوں نے اُن کی حمایت کی اس پر آپ نے سخت تنقید کی اس سلسلے میں امام احمد رضا کا یہ ادبی جوہر پارہ قابلِ ملاحظہ ہے :

”وائے غربتِ اسلام و انصاف کیا کوئی ان سے اتنا کہنے والا نہیں کہ ہندوؤں کے بالفعل محاربین سے بھی تمہیں عداوت کا اقرار...... ہاتھی کے دانت ہیں کھانے کے اور دکھانے کے اور؟...... کیا تمہیں نہیں ہو کہ جب وہ محاربین قاتلین ظالمین کافرین گرفتار ہوئے اُن پر ثبوت اشد جرائم کے انبار ہوئے...... تمہاری چھاتی دھڑکی؟ ...... تمہاری مامتا پھڑکی؟...... گھبرائے؟ تلملائے؟ سٹپٹائے؟ ...... جیسے اکلوتے کی پھانسی سُن کر ماں کو درد آئے؛ فوراً گرما گرم دھواں دھار ریزولیوشن پاس کیا ہے کہ ہَے ہَے یہ ہمارے پیارے ہیں...... ہماری آنکھ کے تارے ہیں انہوں نے مسلمانوں کو ذبح کیا...... جلایا، پھُنکا، مسجدیں ڈھائیں، قرآن پھاڑے، یہ ہماری ان کی خانگی شکررنجی تھی...... ہمیں اس کی مطلق پروا نہیں، یہ ہمارے سگّے ہیں، کوئی سوتیا ڈاہ نہیں...... ماں بیٹی کی لڑائی...... دودھ کی ملائی...... برتن ایک دوسرے سے کھڑک ہی جاتا ہے ...... ان کے درد سے ہمیں غش پر غش آتا ہے...... ان کا بال بیکا ہوا نہ ہمارا کلیجہ پھٹا! ...... للہ! اُن کو معافی دی جائے...... فوراً درگزر کی جائے...... یہ ہے آیۂ ممتحنہ پر تمہارا عمل!...... یہ ہے الذین قاتلوکم فی الدین سے تمہاری جنگ و جدل!...... یہ ہے واحدِ قہار کو تمہارا پیٹھ دینا!...... یہ ہے کلامِ جبّار سے تمہارا مچیٹا لینا!...... ان تمہارے سگّوں نے قرآن مجید پھاڑے، تم نے اس کے احکام پاؤں تلے مَل ڈالے...... انہوں نے مسجدیں ڈھائیں، تم نے رب المسجد کے ارشاد دولتیوں میں کچل ڈالے...... قرآن چھوڑا...... ایمان چھوڑا...... مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منہ موڑا، اور ان کے دشمنوں ان کے اعدا سے رشتہ جوڑا یہ تمہیں اسلام کا بدلا مِلا!......“

(امام احمد رضا بریلوی: المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ ۱۳۳۹ھ، رضا اکیڈمی ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۶۶/۶۷)

(۲۲) اسی طرح مسلمانوں کے رہ نما کہلانے والے کچھ سیاسی نیتاؤں نے مسٹر گاندھی کو اس درجہ بڑھاوا دیا کہ جیسے وہ کوئی اللہ کا برگزیدہ بندہ ہے۔ مولوی عبدالباری فرنگی محلی نے گاندھی کے بارے میں اپنے خط میں لکھا کہ میرا حال تو سرِ دست اس شعر کے موافق ہے ؎

عمرے کہ بآیات واحادیث گذشت
رفتی و بت پرستی نثار کردی

نیز مسٹر ابوالکلام آزاد نے جمعہ کے روز نمازِ جمعہ سے قبل مسٹر گاندھی کے بارے میں بر سرِ منبر تعریفی و توصیفی کلمات کہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے مسٹر آزاد کے اس فعل کی اپنی کتاب ''المحجة الممتحنه'' میں خبر لیتے ہوئے فکری انداز میں تنقید کی ہے۔ امام احمد رضا کی طنز و نشتریت سے بھرپور تحریر خاطر نشین ہو :

''دوسرا جمعہ کا خطبہ اردو میں پڑھتا ہے...... نہیں نہیں! خطبہ کی جگہ لکچر دیتا ہے...... اور اس میں خلفاے راشدین و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے بدلے گاندھی کی مدح، مقدس ذاتِ ستودہ صفات وغیرہا لفّاظیوں کے ساتھ گاتا ہے...... اللہ تعالیٰ فرمائے **انما المشرکون نجس** - مشرک تو نہیں مگر ناپاک ...... یہ کہیں مقدس ذات...... اللہ فرمائے: **اولٰئک ھم شر البریه** - وہ تمام مخلوق سے بدتر ہیں...... یہ کہیں ستودہ صفات...... خطبہٴ جمعہ کیا تھا، قرآنِ عظیم کا ردّ تھا...... آج خطبہٴ جمعہ میں یہ ہوا...... کل نماز میں **اھدنا الصراط المستقیم** کی جگہ **اھدنا الصراط الگاندھی** پڑھیں گے اور کیوں نہ پڑھیں گے؟...... جسے جانیں کہ اس مقدس ذاتِ ستودہ صفات کو اللہ تعالیٰ نے مُذ َکّر بنا کر مبعوث فرمایا ہے...... اُس کی راہ آپ ہی طلب کِیا چاہیں اور اگر بالفرض یہ تبدیل نہ کریں تو **صراط الذین انعمت علیھم** میں تو گاندھی کو ضرور داخل مان چکے......''

(امام احمد رضا بریلوی: المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ ۱۳۳۹ھ، رضا اکیڈمی ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۱۱۵)

(۲۳) خالقِ کائنات جل شانہٗ نے اپنے محبوبِ مکرم، مصطفیٰ جانِ رحمت، قاسمِ کنزِ نعمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے تمام تر خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی نے آقاے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انہیں اختیارات و تصرفات کو بیان کرتے ہوئے اردوے معلا کے حسین و جمیل گل بوٹے کھلائے ہیں۔ طنز کے ساتھ ساتھ عشق و محبت کا دل نواز اسلوب دیدنی اور شنیدنی ہے :

''ملا جی! ذرا انصاف کی کنجی سے دیدہٴ عقل کے کواڑ کھول کر یہ کنجیاں دیکھیے جو مالک الملک شہنشاہِ قدیر جل جلالہ نے اپنے نائبِ اکبر خلیفہٴ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہیں...... خزانوں کی کنجیاں...... زمین کی کنجیاں...... دنیا کی کنجیاں...... نصرت کی کنجیاں...... نفع کی کنجیاں...... جنت کی

کنجیاں...... نار کی کنجیاں...... ہر شَے کی کنجیاں...... اور اب اپنا وہ بلاے جان اقرار یاد کیجیے...... ''جس کے ہاتھ میں کنجی ہوتی ہے قفل اسی کے اختیار میں ہوتا ہے جب چاہے نہ کھولے جب چاہے کھولے'' ...... دیکھ حجتِ الٰہی یوں قائم ہوتی ہے...... والحمدللہ رب العالمین......''

(امام احمد رضا بریلوی: الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء ۱۳۱۱ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۵۹/۶۰)

(۲۴) سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر کا سایا نہیں تھا۔ بعض منکرینِ فضائلِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے سایا نہ ہونے پر کتب و رسائل تک تصنیف کیے، امام احمد رضا بریلوی نے اُن کے جوابات میں کئی کتب لکھیں۔ ان میں سے ایک کتاب کی تمہیدی تحریر لائقِ مطالعہ اور ہر اعتبار سے قابلِ تحسین ہے :

''عزیزانِ حق طلب! اگر عقلِ سلیم کا دامن ہاتھ سے نہ دیں گے تو ان شآء اللہ تعالیٰ انھی شمعوں کی روشنی میں ٹھیک ٹھیک شاہ راہِ صواب پر ہولیں گے۔ اور کلفتِ خارزار اور آفتِ یمین و یسار سے بچتے ہوئے، تجلّاے ہدایت میں نور کے تڑکے، ٹھنڈے ٹھنڈے منزلِ تحقیق پر خیمہ زن ہوں گے اور جو تعصب اور سخن پروری کا ساتھ لے تو ہم پر کیا الزام ہے، کہ جلتے ریت پر چلانا، بلا کے کانٹوں میں پھنسانا اندھے کو دن میں گرانا، ان دو آفت جان، دشمنِ دین و ایمان کا قدیمی کام ہے و باللہ التوفیق و بہ الوصول الیٰ ذروۃ التحقیق......''

(امام احمد رضا بریلوی: مجموعۂ رسائل: نور اور سایا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۱۰۱/۱۰۲)

(۲۵) امام احمد رضا محدث بریلوی کی بارگاہ میں جناب ابوعبداللہ صاحب نے ریاست محمد آباد سے جب کہ امام احمد رضا اخیر عمر میں بھوالی، نینی تال میں تشریف فرما تھے، ایک استفتا روانہ کیا۔ اُس سوال کے تشفی بخش جواب کے لیے مسئلے کے تمام پہلووں پر حسبِ عادتِ کریمہ بحث کر کے حوالہ جات سے مزین کر کے جواب عنایت فرمایا۔ اس وقت امام احمد رضا محدث بریلوی کی طبیعت شدید ناساز تھی۔ باوجود اس کے آپ نے تحقیقی فتوا تحریر فرمایا۔ مذکورہ فتوا کی یہ سطورِ ذیل مطالعہ کرنے کے قابل ہیں، ادبیت کے موتی سے آراستہ و مزین، سلاست و روانی سے مملو :

''یہ چند سطریں خدا نے جس طرح چاہا، غم و اندوہ کے اجتماع اور امراض و عوارض کے ازدحام کے باوجود دو جلسوں میں تحریر کی گئیں۔ دل چاہتا

ہے کہ زُلفِ سخن دوسری کنگھی سے سنواروں مگر کیا کروں اس اندھی بستی میں وطن سے دور ہوں کتابیں پاس نہیں؟......''

(امام احمد رضا بریلوی: مجموعۂ رسائل: نور اور سایا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۱۴۰)

(۲۶) امام الانبیاء، دافع البلاء والوباء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بلاؤں کا دافع کہنے پر شرک شرک کا راگ الاپنے والوں کے لیے امام احمد رضا محدث بریلوی کا یہ ادبی جوہر پارہ لائقِ مطالعہ ہے :

''دیکھو یہ شہادتِ خدا ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ وسلم رزق پانا، مدد ملنا، مینھ برسنا، بَلا دور ہونا، دشمنوں کی مغلوبی، عذاب کی موقوفی، یہاں تک کہ زمین کا قیام، زمین کی نگہبانی، خلق کی موت، خلق کی زندگی، دین کی عزت، اُمّت کی پناہ، بندوں کی حاجت روائی، راحت رسانی، سب اولیا کے وسیلے، اولیا کی برکت، اولیا کے ہاتھوں اولیا کی وساطت سے ہے۔ مگر مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دفعِ بلا کا واسطہ ماننا اور شرک پسندوں نے مشرک جانا......ان للہ وانا الیہ راجعون......''

(امام احمد رضا بریلوی: الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء ۱۳۱۱ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۳۴)

(۲۷) امام الاولیاء سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے تئیں امام احمد رضا نے اپنی دلی خواہش اور ایمانی آرزو کا اظہار کرتے ہوئے جگہ جگہ مقفّا جملوں کو اس سلیقہ مندی سے استعمال فرمایا ہے کہ طبیعت جھوم جھوم اُٹھتی ہے :

''گدائے بے نوا...... فقیرِ ناسزا...... اپنے تاج دار...... عظیم الجود......عمیم العطاء کے لطفِ بے منّت وکرمِ بےعلّت سے اس صِلے کا طالب کہ عفو وعافیت وحُسنِ عاقبت کے ساتھ اس دارِ ناپائدار سے رُخصت ہوتے ؛ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز پسر...... بتولِ زہرا کے لختِ جگر......علیِ مرتضیٰ کے نورِ نظر......حسن وحسین کے قرۂ بصر......محیِ سنّت ابی بکر وعمر صلی اللہ تعالیٰ علیٰ الحبیب وعلیہم وسلم ......یعنی حضور غوثِ صمدانی ......قطبِ ربّانی......واھب الآمال ومعطی الامانی......حضور پُر نور غوثِ اعظم قطبِ عالم محی الدین ابو محمد عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہٗ وجعل حرزنا فی الدارین رضاہٗ کی محبت وعشق وعقیدت واتباع وطاعت پر جائے اور جس دن

یوم ندعوا کل اناس بامامھم......(جس دن ہر جماعت کو ہم اُس کے امام کے ساتھ بلائیں گے)......کا ظہور ہو؛ یہ سراپا گناہ زیرِ لوائے بے کس پناہ سرکارِ قادریت ظلِّ الٰہ جگہ پائے......''

(امام احمد رضا بریلوی: انہار الانوار من یم الصلاۃ الاسرار ۱۳۰۵ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۶۲)

(۲۸) کھڑے ہو کر صلاۃ وسلام پڑھنے، میلاد و قیام نیز بدعت پر بحث کرتے ہوئے امام احمد رضا نے تحقیق وتدقیق کے ذریعہ سے ان امور کے استحباب کو ثابت کیا ہے۔ پوری کتاب اردو ادب کا حسین گل دستہ ہے۔ جس میں قلم برداشتہ مقفاً جملوں کی رنگا رنگی وتازگی قاری کو دیر تک مسحور کیے رہتی ہے۔ ذیل میں پیش کی جانے والی عبارتِ رضا آپ کے قادر الکلام ادیب اور شہنشاہِ اقلیمِ سخن ہونے کے ساتھ ساتھ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق ہونے پر بھی دلالت کرتی ہے۔ پڑھتے جایئے۔ جھومتے جایئے اور امام احمد رضا کے حُسنِ تخیل کی داد دیجیے :

''اب تو بے خلش صرصر و اندیشۂ سموم اور ہی آبیاریاں ہونے لگیں......فکرِ صائب نے زمین تدقیق میں نہریں کھودیں...... ذہنِ رواں نے زُلالِ تحقیق کی ندّیاں بہائیں......علما، اولیا کی آنکھیں ان پاک مبارک نہالوں کے لیے تھالے بنیں......خواہانِ دین وملّت کی نسیمِ انفاسِ متبرکہ نے عطر بازیاں فرمائیں...... یہاں تک کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا باغ ہرا بھرا پھولا پھلا لہلہایا اور اس کے بھینے پھولوں، سہانے پتّوں نے چشم وکام ودماغ پر عجب ناز سے احسان فرمایا......والحمد للہ رب العالمین......اب اگر کوئی جاہل یہ اعتراض کرے کہ یہ کنچھیاں جو اَب پھوٹیں، جب کہاں تھیں؟...... یہ پتّیاں جو اَب نکلیں، پہلے کیوں نہاں تھیں؟...... یہ تپلی تپلی ڈالیاں جو اَب جھومتی ہیں، نو پیدا ہیں؟...... یہ ننھی ننھی کلیاں جو اَب مہکتی ہیں، تازہ جلوا نما ہیں......اگر ان میں کوئی خوبی پاتے تو اگلے کیوں چھوڑ جاتے......تو اس کی حماقت پر الٰہی باغ کا ایک ایک پھول قہقہہ لگائے گا کہ او جاہل! اگلوں کو جڑ جمانے کی فکر تھی، وہ فرصت پاتے تو یہ سب کچھ کر دکھاتے......آخر اس سفاہت کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ وہ نادان اس باغ کے پھل پھول سے محروم رہے گا......''

(امام احمد رضا بریلوی: اقامۃ القیامۃ علیٰ طاعن القیام النبی التہامۃ ۱۲۹۹ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۵۸)

(۲۹) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کے تعلق سے

مسلمانوں کوشکوک وشبہات میں مبتلا کرنے والے منکرینِ فضائلِ رسالت مآب (ﷺ) کا ردِّ بلیغ کرتے ہوئے آپ نے ایک کتاب تصنیف فرمائی۔جس کی عبارتِ ذیل اردوادب کا ایک بہترین جوہر پارہ اور والدینِ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ وسلم کے مومن وموحد ہونے کا بیان بھی ہے......پیرایۂ اظہار وبیان پر غور کیجیے :

''اے چشمِ انصاف! کیا ہر تعلق ہر علاقہ میں ان پاک مبارک ناموں کا اجتماع محض اتفاقی بہ طور جزاف تھا؟......کلاّ واللہ! بل کہ عنایتِ ازلی نے جان کر یہ نام رکھے......دیکھ دیکھ کر یہ لوگ چُنے......پھر محلِّ غور ہے جو اس نورِ پاک کو بُرے نام والوں سے بچائے وہ اسے بُرے کام والوں میں رکھے گا؟......اور برا کام بھی کون سا؟......معاذ اللہ! شرک وکفر......حاشآء......اللہ اللہ!......دائیاں مسلمان......کھلائیاں مسلمان......مگر خاص جن مبارک پیٹوں میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پاؤں پھیلائے؛ جن طیّب مطیّب خونوں سے اِس نورانی جسم میں ٹکڑے آئے، معاذ اللہ! چنیں وچناں حاش للہ کیوں کر گوارا ہو؟......ع

خدا دیکھا نہیں قدرت سے جانا''

(امام احمد رضا بریلوی:شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام ۱۳۱۵ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۳۳)

(۳۰) حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا اپنے ابنِ کریم مصطفیٰ پیارے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس دارِفانی سے کوچ کرتے وقت نصیحت فرماتی ہیں کہ: ''ہر زندے کو مرنا ہے، اور ہر نئے کو پُرانا ہونا اور کوئی کیسا ہی بڑا ہوا ایک دن فنا ہونا ہے میں مرتی ہوں اور میرا ذکر ہمیشہ خیر سے رہے گا، میں کیسی خیرِ عظیم چھوڑ چلی ہوں اور کیسا ستھرا پاکیزہ مجھ سے پیدا ہوا صلی اللہ علیہ وسلم''

اس موضوع کے تحت امام احمد رضا محدث بریلوی کا یہ شگفتگی، شیفتگی اور وارفتگی سے پُر ادب پارہ نشانِ خاطر ہو :

''یہ اُن کی فراستِ ایمانی......پیشن گوئی نورانی......قابلِ غور ہے کہ میں انتقال کرتی ہوں اور میرا ذکرِ خیر ہمیشہ رہے گا......عرب وعجم کی ہزاروں شاہ زادیاں...... بڑی بڑی تاج والیاں خاک کا پیوند ہوئیں......جن کا نام تک کوئی نہیں جانتا......مگر اس پاک طیّبہ خاتون کے ذکرِ خیر سے مشارق ومغاربِ ارض میں محافل ومجالسِ اِنس وقدس میں زمین وآسمان گونج رہے ہیں اور

ابدالآباد تک گونجیں گے......وللہ الحمد......''

(امام احمد رضا بریلوی: شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام ۱۳۱۵ھ، رضا اکیڈمی، ممبئ، ۱۹۹۸ء، ص ۴۰)

(۳۱) سائنسی نظریات کے مطابق زمین حرکت کرتی ہے جب کہ قرآنی آیات کی روشنی میں زمین کا ساکن ہونا ثابت ہے۔ آج کل اسکولوں میں سائنسی نظریات پڑھائے جاتے ہیں۔ اور طلبہ جسے صحیح سمجھ کر اسلامی عقیدے کے مخالف نظریات کے حامی بن جاتے ہیں۔ اس ضمن میں امام احمد رضا محدث بریلوی کا یہ ادب پارہ ملاحظہ ہو :

''الحمد للہ ! وہ نور کہ طورِ سینا سے آیا...... اور جبلِ ساعیر سے چمکا...... اور فارانِ مکۂ معظّمہ کے پہاڑوں سے فائض الانوار و عالم آشکار ہوا...... شمس وقمر کا چلنا...... اور زمین کا سکون...... روشن طور پر لایا...... آج جس کا خلاف سکھایا جاتا ہے...... اور مسلمان ناواقف نادان لڑکوں کے ذہن میں جگہ پاتا ہے...... اور اُن کے ایمان واسلام پر حرف لاتا ہے...... والعیاذ باللہ تعالیٰ......''

(امام احمد رضا بریلوی: فوزِ مبین در ردِ حرکتِ زمین ۱۳۳۸ھ، رضا اکیڈمی، ممبئ، ۱۹۹۸ء، ص ۲۹/۳۰)

(۳۲) اللہ عزوجل ایذا سے پاک ومنزّہ ہے، اُسے کون ایذا دے سکتا ہے؟ مگر اس نے اپنے حبیبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا کلمات اور گستاخی کو اپنی ایذا فرمایا ہے۔ متعدد آیاتِ قرآنی سے گستاخِ رسول (ﷺ) اور اس سے محبت کا برتاو کرنے والے اشخاص کے لیے امام احمد رضا نے یہ سات باتیں ثابت کی ہیں (۱) وہ ظالم ہے (۲) گمراہ ہے (۳) کافر ہے (۴) اس کے لیے دردناک عذاب ہے (۵) وہ آخرت میں ذلیل وخوار ہے (۶) اس نے اللہ واحد قہار کو ایذا دی (۷) اس پر دونوں جہاں میں خدا کی لعنت ہے...... والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

اس کے بعد مسلمانوں کو امام احمد رضا نے جو درس دیا ہے وہ عبارت پند ونصائح کے ساتھ ساتھ حُسنِ لفظ ومعنی کا خوب صورت گل دستہ بھی ہے :

''اے مسلمان ! اے مسلمان ! اے اُمّتیِ سید الانس والجان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ! خدارا ذرا انصاف کر ! وہ سات بہتر ہیں جوان لوگوں سے یک لخت ترکِ علاقہ کر دینے پر ملتے ہیں کہ دل میں ایمان جم جائے...... اللہ مددگار ہو...... جنت مقام ہو...... اللہ والوں میں شمار ہو...... مرادیں ملیں، خدا تجھ سے راضی ہو تُو خدا سے راضی ہو یا سات بھلے ہیں جوان لوگوں سے تعلق لگا

رہنے پر پڑیں گے کہ ظالم، گمراہ، کافر، جہنمی ہو...... آخرت میں خوار ہو......
خداکو ایذا دے...... خدا دونوں جہان میں لعنت کرے...... ہیہات!
ہیہات!......کون کہہ سکتا ہے کہ یہ سات اچھے ہیں؟......کون کہہ سکتا کہ وہ
سات چھوڑنے کے ہیں؟............مگر جانِ برادر! خالی یہ کہہ دینا تو کام نہیں
دیتاوہاں توامتحان کی ٹھہری ہے......''

(امام احمد رضا بریلوی: تمہیدِ ایمان بآیاتِ قرآن ۱۳۲۶ھ، رضا اکیڈمی، مالیگاوں ۱۹۹۲ء، ص ۹)

(۳۳) امام احمد رضا کی بارگاہ میں ایک استفتا آیا کہ ''کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اقدس کا سایا تھا یا نہیں؟......اس کے جواب میں امام احمد رضا نے ایک کتاب ''قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲۹۶ھ'' کے نام سے تحریر فرمائی......اس کتاب کا تمہیدی خطبہ اردو ادب کا حسین ترین گل دستہ اور تمام تر نثری خوبیوں اور محاسن کا عطر مجموعہ ہے۔اس کی ایک ایک سطر سے اردوے معلا کی لطافت و حلاوت ٹپکتی ہے۔خامۂ رضا کی یہ عبارت پڑھ اورسُن کر قاری وسامع دونوں کی طبیعت پر وجدانی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔یہ عبارت جہاں امام احمد رضا محدث بریلوی کے قادرالکلام ادیب ہونے پر دلالت کرتی ہے وہیں یہ بھی واضح کرتی ہے کہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب وپسندیدہ چیز سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر، عقیدت ومحبت، اطاعت وفرماں برداری اور حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ترین بارگاہ کی نیاز مندی تھی......اور سب سے مغضوب ونا پسندیدہ چیز سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اطہر میں گستاخی وبے ادبی ودریدہ ذہنی و بدگوئی اور آقاے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ارفع واعلا ذات، کمالات وصفاتِ عالیہ اور فضائل و شمائل پر نکتہ چینی تھی...... ذیل میں پوری تمہیدی عبارت بعینہٖ نقل کی جاتی ہے پڑھتے جایئے، جھومتے جایئے اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ومحبت سے پُر تحریر کا لطف وسرور اُٹھایئے اور امام احمد رضا کے حُسنِ تصور اور پاکیزہ تخیل کی داد دیجیے :

''حتیٰ کہ معجزۂ شق القمر جو بخاری ومسلم کی احادیث صحیحہ بل کہ خود
قرآن عظیم ووحیِ حکیم کی شہادتِ حقّہ اور اہل سنت وجماعت کے اجماع سے
ثابت...... اِن صاحبوں میں سے بعض جری بہادروں نے اسے بھی غلط ٹھہرایا
......اور اسلام کی پیشانی پر کلف کا دھبّہ لگایا......فقیر کو حیرت ہے کہ ان بزرگوں
نے اس میں اپنا کیا فائدہ دینی ودنیاوی سمجھا ہے؟......

اے عزیز! ایمان...... رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے مربوط ہے......اور آتشِ جان سوزِ جہنم سے نجات اُن کی الفت پر مَنوط......جو اُن سے محبت نہیں رکھتا واللہ! کہ ایمان کی بُو اُس کی مشام تک نہ آئی......''

چند سطروں بعد راقم ہیں کہ :

''جانِ برادر! تو نے کبھی سُنا کہ جس شخص کو تجھ سے الفتِ صادق ہے وہ تیری اچھی بات سُن کر چیں بہ جبیں ہو اور اس کی محو کی فکر میں رہے...... اور پھر محبوب بھی کیسا؟ جانِ ایمان وکانِ احسان......جس کے جمالِ جہاں آرا کا نظیر کہیں نہ ملے گا اور خامۂ قدرت نے اس کی تصویر بنا کر ہاتھ کھینچ لیا کہ پھر کبھی ایسا نہ لکھے گا...... کیسا محبوب؟ جسے اُس کے مالک نے تمام جہان کے لیے رحمت بھیجا......کیسا محبوب؟ جس نے اپنے تن پر ایک عالم کا بار اُٹھالیا...... کیسا محبوب؟ جس نے تمہارے غم میں دن کا کھانا، رات کا سونا ترک کر دیا...... تم رات دن اُس کی نافرمانیوں میں منہمک اور لہو ولعب میں مشغول ہو اور وہ تمہاری بخشش کے لیے شب و روز گریاں وملول......

شب؛ کہ اللہ عزوجل نے آسایش کے لیے بنائی......اپنے تسکین بخش پردے چھوڑے ہوئے موقوف ہے......صبح قریب ہے......ٹھنڈی نسیموں کا پنکھا ہورہا ہے...... ہر ایک کا جی اِس وقت آرام کی طرف جھکتا ہے...... بادشاہ اپنے گرم بستروں، نرم تکیوں میں مستِ خوابِ ناز ہے اور جو محتاج بےنوا ہے اُس کے بھی پاوں دو گز کی کملی میں دراز......ایسے سُہانے وقت، ٹھنڈے زمانہ میں، وہ معصوم، بے گناہ، پاک داماں، عصمت پناہ اپنی راحت و آسایش کو چھوڑ......خواب و آرام سے منہ موڑ......جبینِ نیاز آستانۂ عزت پر رکھے ہے کہ الٰہی! میری اُمت سیاہ کار ہے...... درگزر فرما؛ اور اُن کے تمام جسموں کو آتشِ دوزخ سے بچا......

جب وہ جانِ راحت کانِ رافت پیدا ہوا...... بارگاہِ الٰہی میں سجدہ کیا اور ربِّ ھب لی اُمّتی فرمایا...... جب قبر شریف میں اُتارا گیا؛ لبِ جاں بخش کو جنبش تھی، بعض صحابہ نے کان لگا کر سُنا؛ آہستہ آہستہ اُمتی فرماتے تھے ......قیامت کے روز کہ عجب سختی کا دن ہے......تانبے کی زمین...... ننگے پاؤں

...... زبانیں پیاس سے باہر...... آفتاب سروں پر...... سایے کا پتا نہیں......
حساب کا دغدغہ...... مَلِکِ قہار کا سامنا...... عالم اپنی فکر میں گرفتار ہوگا......
مجرمانِ بے یار دامِ آفت کے گرفتار...... جدھر جائیں گے سوا نفسی نفسی اِذ ہبوا الیٰ
غیری کچھ جواب نہ پائیں گے...... اُس وقت یہی محبوبِ غم گسار کام آئے گا
...... قفلِ شفاعت اس کے زورِ بازو سے کھل جائے گا...... عمامہ سرِ اقدس سے
اُتاریں گے اور سر بہ سجود ہوکر ''اُمتی'' فرمائیں گے...... وائے بے انصافی!
ایسے غم خوار پیارے کے نام پر جاں نثار کرنا اور مدح وستایش ونشرِ فضائل سے
اپنی آنکھوں کو روشنی اور دل کو ٹھنڈک دینا واجب...... یا یہ کہ حتی الوسع چاند پر
خاک ڈالے اور اِن روشن خوبیوں میں انکار کی شاخیں نکالے......

مانا کہ ہمیں احسان شناسی سے حصہ نہ مِلا...... نہ قلب عشق آشنا
ہے کہ حُسن پسند یا احسان دوست...... مگر یہ تو وہاں چل سکے جس کا احسان اگر نہ
مانیے...... اس کی مخالفت کیجیے تو کوئی مضرّت نہ پہنچے...... اور یہ محبوب تو ایسا ہے
کہ بے اس کی کفش بوسی کے جہنم سے نجات میسر...... نہ دنیا میں کہیں ٹھکانہ
متصور...... پھر اس کے حُسن واحسان پر والہ وشیدا نہ ہو تو اپنے نفع وضرر کے لحاظ
سے عقیدت رکھو......

اے عزیز! چشمِ خرد میں سرمۂ انصاف لگا اور گوشِ قبول سے پنبۂ
انکار نکال...... پھر تمام اہلِ اسلام بل کہ ہر مذہب وملّت کے عُقَلا سے پوچھتا
پھر کہ عشاق کا اپنے محبوب کے ساتھ کیا طریقہ ہوتا ہے اور غلاموں کو مولا کے
ساتھ کیا کرنا چاہیے؟...... آیا؟ نشرِ فضائل وتکثیرِ مدائح اور ان کی خوبیِ حُسن سُن
کر باغ باغ ہوجانا؟...... پھولا نہ سمانا، یا ردِ محاسن، نفیِ کمالات اور ان کے
اوصافِ حمیدہ سے بہ انکار وتکذیب پیش آنا...... اگر ایک عاقل منصف بھی تجھ
سے کہہ دے کہ نہ وہ دوستی کا مقتضا، نہ یہ غلامی کے خلاف ہے، تو تجھے اختیار ہے
ورنہ خدا ورسول سے شرما...... اور اس حرکتِ بے جا سے باز آ...... یقین جان
لے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوبیاں تیرے مٹائے نہ مٹیں گی......

جانِ برادر! اپنے ایمان پر رحم کر...... خدائے قہار جبار جل جلالہٗ
سے لڑائی نہ باندھ...... وہ تیرے اور تمام جہان کی پیدایش سے پہلے ازل میں

لکھ چکا ورفعنا لک ذکرک یعنی ارشاد ہوتا ہے: ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کیا کہ جہاں ہماری یاد ہوگی تمہارا بھی چرچا ہوگا......اور ایمان بے تمہاری یاد کے ہرگز پورا نہ ہوگا...... آسمانوں کے طبقے اور زمینوں کے پردے تمہارے نامِ نامی سے گونجیں گے......موذن اذانوں میں اور خطیب خطبوں اور ذاکرین اپنی مجالس اور واعظین اپنے منابر پر ہمارے ذکر کے ساتھ تمہاری یاد کریں گے ...... اشجار و احجار...... آہو و سوسمار...... ودیگر جان دار و اطفالِ شیر خوار...... و معبودانِ کفّار جس طرح ہماری توحید بتائیں گے...... ویسا ہی بہ زبانِ فصیح و بیانِ صحیح تمہارا منشورِ رسالت پڑھ کر سنائیں گے...... چارا کنافِ عالم میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا غلغلہ ہوگا...... جُز اشقیاے ازل ہر ذرّہ کلمۂ شہادت پڑھتا ہوگا ...... مُسبّحان ملاءِ اعلا کو اِدھر تسبیح و تقدیس میں مصروف کروں گا...... اُدھر تمہارے محمود درؤ دِ مسعود کا حکم دوں گا...... عرش و کرسی......ہفت اوراقِ سدرہ......قصورِ جناں...... جہاں پر اللہ لکھوں گا، محمد رسول اللہ بھی تحریر فرماؤں گا ......اپنے پیغمبروں اور اولوالعزم رسولوں کو ارشاد کروں گا کہ ہر وقت تمہارا دم بھریں اور تمہاری یاد سے اپنی آنکھوں کو روشنی اور جگر کو ٹھنڈک اور قلب کو تسکین اور بزم کو تزئین دیں...... جو کتاب نازل کروں گا اس میں تمہاری مدح وستایش اور جمالِ صورت اور کمالِ سیرت ایسی تشریح وتوضیح سے بیان کروں گا کہ سننے والوں کے دل بے اختیار تمہاری طرف جھک جائیں اور نادیدہ تمہارے عشق کی شمع ان کے کانوں، سینوں میں بھڑک اٹھے گی...... ایک عالم اگر تمہارا دشمن ہوکر تمہاری تنقیصِ شان اور محوِ فضائل میں مشغول ہوتو میں قادرِ مطلق ہوں، میرے ساتھ کسی کا کیا بس چلے گا؟......آخر اسی وعدے کا اثر تھا کہ یہود صدہا برس سے اپنی کتابوں میں اُن کا ذکر نکالتے اور چاند پر خاک ڈالتے ہیں......تو اہلِ ایمان اس بلند آواز سے اُن کی نعت سناتے ہیں کہ سامع اگر انصاف کرے...... بے ساختہ پکار اُٹھے...... لاکھوں بے دینوں نے محوِ فضائل پر کمر باندھی......مگر مٹانے والے خود مٹ گئے اور ان کی خوبی روز بروز مترقی رہی ......پھر اپنے مقصود سے تو یاس و ناامیدی کر لینا مناسب ہے ورنہ بہ ربّ کعبہ اُن کا کچھ نقصان نہیں...... بالآخر ایک دن تُو نہیں، تیرا ایمان نہیں......''

(امام احمد رضا بریلوی: مجموعۂ رسائل نور اور سایا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۷۶/ ۷۷)

مندرجۂ بالا تینتیس مثالیں امام احمد رضا کی چند ہی تصانیف سے پیش کی گئی ہیں۔ ذیل میں رشحاتِ رضا کے مزید سات گراں قدر جو ہر پارے بلا تبصرہ نقل کیے جاتے ہیں تا کہ چالیس کا عدد مکمل ہو جائے جو کہ اسلاف کے نزدیک اہمیت کا حامل رہا ہے۔ (یہ اضافہ حال میں کیا گیا ہے) ذہن نشین رہ کہ یہ سات عبارتیں امام احمد رضا کے مکاتیب سے درج کی جارہی ہیں۔ مکتوب نگاری بھی ایک فن ہے اس میں بھی امام احمد رضا نے ادبیت کے دل کش گل بوٹے کھلائے ہیں، نثر میں شاعرانہ فضا پیدا کی ہے اور صنعتی موتی بکھیرے ہیں۔ آپ کی تصانیف کی طرح خطوط میں بھی تازگی و طرفگی، شگفتگی و پختگی اور ایک اعلا نثر کی جملہ خصوصیات موج زن ہیں جو قاری کو ایک کیف آگیں شادابگی سے ہم کنار کرتی ہیں :

(۳۴) عبدالباری کے توبہ نامہ کے بعد ۱۵ر ماہ مبارک سے ان سے سلسلۂ مکاتب جاری ہوا۔ مدتوں تو ان سے یہی پوچھا گیا کہ میری اس تحریر میں کون سا لفظ تکبر تھا، جس پر آپ نے پیکرِ تکبر ٹھہرالیا، اور مجھ سے خطاب کو معاذ اللہ! حق کی بے غیرتی ٹھہرایا۔ بغلیں جھانکا کیے اور کچھ نہ بتا سکے۔ کچھ ہوتا، تو بتاتے۔ آخر یوں ٹالا۔ بات شروع کیجیے بعد ختم مفاہمہ بتاؤں گا اور ساتھ ہی یہ کہ میں سندھ کو جاتا ہوں۔ میں نے تار دیا کہ اصل بحث شروع کرتا ہوں، کہاں بھیجوں؟ آپ سندھ کب جائیں اور کب آئیں گے؟ اس کا جواب ان کے یہاں سے کسی نے تار میں دیا کہ وہ کراچی گئے۔ اب انتظار کرنا پڑا۔ میری وہ تحریر جس پر انھوں نے وہ ناپاک احکامِ تکبر لگائے تھے۔ ان پر ردِ شدید تھی اور جواب ناممکن تھا۔ لہٰذا اس حیلۂ کاذبہ کی آڑ لی۔ مجھے تو اندیشہ ہوا کہ وہ تو قلیل ردّ تھے؛ اب کثیر وافر کروں گا۔ پھر کہہ دیں گے؛ پیکرِ تکبر سے مخاطبہ حق کی بے غیرتی سمجھتا ہوں؛ بات ہاتھ سے جائے گی۔ ہدایت کی طرف جھکے ہیں۔ پھر اس حیلۂ کاذبہ سے چراغ پا ہو جائیں گے۔

لہٰذا بار بار بہ تکرار بہ اصرار نہایت تواضع و تذلل کے لہجہ میں دریافت کیا؛ کہ وہ طریقۂ تخاطب بتا دیجیے، جسے آپ تکبر نہ سمجھیں اور میں قابلِ خطاب اور میرا کلام لائقِ جواب رہے۔ مگر کسی طرح نہ بتایا، صرف اتنا کہا کہ جس شفقت و فراست سے جناب نے اب کلام فرمایا ہے۔ میں نے گزارش کی کہ اس کے دو معنیٰ ہیں۔ ایک یہ کہ جس انتہائے تذلل کے ساتھ اب ہم سے

کلام کیا ہے، ایسا ہی ہونا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ وہ خط رد تھا اور اس میں رد نہیں۔ لہٰذا یہ تکبر نہیں۔ پہلی مراد پر میرا نہیں، بل کہ آپ کا تکبر ثابت ہوگا کہ ہم سے یوں بات کرنا چاہیے۔ اور دوسری تقدیر پر بالکل درِ مفاہمہ بند کرتی ہے کہ آگے جو کچھ ہوگا، آپ پر ہی رد ہی ہوگا۔ غرض ان سے لکھوا چھوڑا کہ میں رد کو تکبر نہیں سمجھتا۔ اور اسی ضمن میں ان سے چار عہدِ واثق لیے۔

(۱) جہاں حرجِ شرعی ثابت ہوگا قبول کیا جائے گا، مخاصمانہ مدافعت مقصود نہ رہے گی۔ (۲) رفعِ الزام کو کوئی حقیقتِ واقعہ چھپائی نہ جائے۔ (۳) بعدِ صحت اصل مراد زوائد سے کام نہ ہوگا۔ (۴) بعدِ وضوحِ حق کسی خاطر رعایتِ لحاظ کو اس پر ترجیح نہ ہوگی، بل کہ **کونوا قوامین بالقسط شهداء لله ولو علیٰ انفسکم**۔

انہوں نے اگر مگر کے بعد لکھ دیا چاروں عہد قبول؛ **واللہ علیٰ مانقول وکیل** مگر ایک آن کو بھی کسی عہد پر قائم نہ رہے۔ ہمیشہ اس پر تنبیہ کی، ملتفت نہ ہوئے۔"

(ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی: کلیاتِ مکاتیبِ رضا، مطبوعہ کلیر شریف، ۲۰۰۵ء، ج ۱، ص ۷۵/۷۶)

(۳۵) "اگر آپ آفتاب اور دھوپ دیکھیں۔ تو فرقِ حقیقت و تجلی کی ایک ناقص مثال پیشِ نظر ہو۔ آفتاب گویا حقیقتِ شمس ہے اور دھوپ اس کا جلوا۔ حقیقت صفاتِ کثیرہ رکھتی ہے اور اپنے مجالی میں متفرق صفات سے تجلی کرتی ہے۔ ان صفات کے لحاظ سے جو آثار، ان مجالی کے ہیں۔ وہ حقیقتاً حقیقت کے اور معاملات ان مجالی سے بہ حیثیتِ مجالی ہیں؛ وہ حقیقتاً حقیقت سے۔ جیسا صحابۂ کرام کی نسبت فرمایا: **من احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم**۔ حقیقتِ کعبہ مثلِ حقائقِ جملہ اکوان حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الصلاۃ والتحیۃ کی ایک تجلی ہے؛ کعبہ کی حقیقت وہ جلوا ہے۔ مگر وہ جلوا عین حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں۔ بل کہ اس کے غیر متناہی ظلال سے ایک ظِل۔ جیسا کہ اسی قصیدہ میں ہے۔

کعبہ بھی ہے انہیں کی تجلی کا ایک ظِل
روشن انہیں کے عکس سے پُتلی حجر کی ہے

حقیقتِ کریمہ نے اپنی صفتِ مسجودیتِ الیہا سے اس ظِل میں تجلی

فرمائی ہے۔لہٰذا کعبہ جس کی حقیقت یہی ظل و تجلی ہے۔ مسجود الیہا ہوا اور حقیقت وہ حقیقت علیہ مسجود الیہا ہے کہ اس کی صفت اس کے ساتھ اس پر تجلی نے اسے مسجود الیہا کیا۔"

(ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی: کلیاتِ مکاتیبِ رضا، مطبوعہ، کلیر شریف، ۲۰۰۵ء، ج ۱، ص ۱۰۱/۱۰۲)

(۳۶) "یہ فقیر ذلیل بحمدہٖ تعالیٰ حضرات ساداتِ کرام کا ادنا غلام و خاک پا ہے۔ ان کی محبت و عظمت ذریعۂ نجات و شفاعت جانتا ہے۔ اپنی کتابوں میں چھاپ چکا ہے کہ سید اگر بدمذہب بھی ہو جائے؛ اس کی تعظیم نہیں جاتی۔ جب تک بدمذہبی حدِ کفر تک نہ پہنچے۔ ہاں! بعدِ کفر سیادت ہی نہیں رہتی۔ پھر اس کی تعظیم حرام ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی فقیر بارہا فتوا دے چکا ہے کہ کسی سید کو سید سمجھنے اور اس کی تعظیم کرنے کے لیے ہمیں اپنے ذاتی علم سے اسے سید جاننا ضروری نہیں۔ جو لوگ سید کہلاے جاتے ہیں۔ ہم ان کی تعظیم کریں گے۔ ہمیں تحقیقات کی حاجت نہیں۔ نہ سیادت کی سند مانگنے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے اور خواہی نہ خواہی سند دکھانے پر مجبور کرنا اور نہ دکھائیں تو بُرا کہنا، مطعون کرنا ہرگز جائز نہیں۔ الناس امناء علٰی انسابہم (لوگ اپنے نسب پر امین ہیں)۔

ہاں! جس کی نسبت ہمیں خوب تحقیق معلوم ہو کہ یہ سید نہیں اور وہ سید بنے، اس کی ہم تعظیم نہ کریں گے۔ نہ اسے سید کہیں گے اور مناسب ہوگا کہ ناواقفوں کو اس کے فریب سے مطلع کر دیا جائے۔ میرے خیال میں ایک حکایت ہے: جس پر میرا عمل ہے کہ ایک شخص کسی سید سے اُلجھا؛ انھوں نے فرمایا: میں سید ہوں۔ کہا: کیا سند ہے تمہارے سید ہونے کی؟ رات کو زیارتِ اقدس سے مشرف ہوا کہ معرکۂ حشر ہے، یہ شفاعت خواہ ہوا۔ اعراض فرمایا؛ اس نے عرض کی: میں بھی حضور کا اُمّتی ہوں۔ فرمایا: کیا سند ہے تیرے اُمّتی ہونے کی؟"

(ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی: کلیاتِ مکاتیبِ رضا، مطبوعہ، کلیر شریف، ۲۰۰۵ء، ج ۱، ص ۱۰۵/۱۰۶)

(۳۷) "یہ سگِ بارگاہِ بے کس پناہِ قادریت غفرلہٗ ایک ضروری دینی عرض کے لیے مکلّف اوقاتِ گرامی پرسوں روز سہ شنبہ کی ڈاک سے ایک رسالہ "القول الاظہر" مطبوعہ حیدر آباد سرکار اجمیر شریف سے بعض احبابِ گرامی کا

مرسلہ آیا، جس کی لوح پر حسب الحکم عالی جناب لکھا ہے۔ یہ نسبت اگر صحیح نہیں، تو نیاز مند کو مطلع فرمائیں ورنہ طالبِ حق کو اس سے بہتر تحقیقِ حق کا کیا موقع ملے گا؟ کسی مسئلۂ دینیہ شرعیہ میں استکشافِ حق کے لیے نفوسِ کریمہ جن جن صفات کے جامع درکار ہیں، بہ فضلہٖ عزوجل ذاتِ والا میں سب آشکار ہیں۔ علم و فضل، انصاف و عدل، حق گوئی، حق جوئی، حق دوستی، حق پسندی، پھر بحمدہٖ تعالیٰ غلامیِ خاص بارگاہِ بےکس پناہِ قادریت جناب کو حاصل اور فقیر کا منہ تو کیا قابل؟ ہاں! سرکار کا کرم شامل......

اس اتحاد کے باعث حضرت کی جو محبت و وقعت قلبِ فقیر میں ہے۔ مولا عزوجل اور زائد کرے۔ یہ اور زیادہ امید بخش ہے۔ اجازت عطا ہو کہ فقیر محض مخلصانہ شبہات پیش کرے؛ اور خالص کریمانہ جواب لے۔ یہاں تک کہ حق کا مالک حق واضح کرے۔ فقیر بارہا لکھ چکا اور اب لکھتا ہے کہ اگر اپنی غلطی ظاہر ہوئی؛ بے تامل اعترافِ حق کرے گا۔ یہ امر جاہل متعصب کے نزدیک عار، مگر عندالعقلا اعزاز و وقار ہے اور حضرت تو ہر فضل کے خود اہل ہیں۔ للہ الحمد! امید کہ ایک غلامِ بارگاہِ قادری طالبِ حق کا یہ مامول حضور پُر نور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے مقبول ہو۔ اللھم آمین بالخیر یا ارحم الراحمین۔"

(ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی: کلیاتِ مکاتیبِ رضا، مطبوعہ، کلیر شریف، ۲۰۰۵ء، ج ۱، ص ۱۰۶/۱۰۷)

(۳۸) "شبِ براءت قریب ہے۔ اس رات تمام بندوں کے اعمال حضرت عزت میں پیش ہوتے ہیں۔ مولا عزوجل بہ طفیل حضور پُر نور شافع یوم النشور علیہ افضل الصلاۃ والسلام مسلمانوں کے ذنوب معاف فرماتا ہے۔ مگر چند ان میں وہ دو مسلمان، جو باہم دنیوی وجہ سے رنجش رکھتے ہیں۔ فرماتا ہے: ان کو رہنے دو، جب تک آپس میں صلح نہ کرلیں۔

لہٰذا اہل سنت کو چاہیے کہ حتی الوسع قبلِ غروبِ آفتاب ۱۴؍ شعبان باہم ایک دوسرے سے صفائی کرلیں۔ ایک دوسرے کے حقوق ادا کردیں؛ یا معاف کرالیں کہ باذنہٖ تعالیٰ حقوق العباد سے صحائفِ اعمال خالی ہوکر بارگاہِ عزت میں پیش ہوں۔ حقوقِ مولا تعالیٰ کے لیے توبۂ صادقہ کافی ہے۔ التائب

مـن الـذنـب كمن لاذنب لهٗ۔ایسی حالت میں باذنہٖ تعالیٰ ضرور اس شب میں اُمیدِ مغفرتِ تامّہ ہے۔ بہ شرطِ صحتِ عقیدہ؛ وھوالغفور الرحیم۔

یہ سب مصالحتِ اخوان ومعافیِ حقوق بحمدہٖ تعالیٰ یہاں سال ہائے دراز سے جاری ہے۔ اُمید کہ آپ بھی وہاں مسلمانوں میں اس کا اجرا کر کے **مـن سن فی الاسلام سنة حسنة فلهٗ اجرھا واجر من عمل بھا الیٰ یـوم الـقیـامة لا یتـفـص مـن اجورھم شیاءً**۔ کے مصداق ہوں۔ یعنی جو اسلام میں اچھی راہ نکالے؛ اس کے لیے اس کا ثواب ہے اور قیامت تک جو اس پر عمل کریں ان سب کا ثواب ہمیشہ اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کچھ کمی آئے۔

اور اس فقیرِ ناکارہ کے لیے عفو وعافیتِ دارین کی دعا فرمائیں۔ فقیر آپ کے لیے دعا کرے گا اور کرتا ہے؛ سب مسلمانوں کو سمجھا دیا جائے کہ وہاں نہ خالی زبان دیکھی جاتی ہے نہ نفاق پسند ہے؛ صلح ومعافی سب سچے دل سے ہو۔''

(ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی: کلیاتِ مکاتیبِ رضا، مطبوعہ، کلیر شریف، ۲۰۰۵ء، ج ۱، ص ۳۵۶/ ۳۵۷)

(۳۹) ''جوابِ مسائل اجمالاً حاضر۔ تفصیل کا وقت کہاں؟ قرآن مجید سن کر اس وقت آیا ہوں۔ بارہ بجا چاہتے ہیں۔ گیارہ بج کر باون منٹ آئے ہیں کہ یہ نیاز نامہ لکھ رہا ہوں اور اگر کسی میں تفصیل طلب فرمائیں گے تو امتثالِ امر کے لیے ہوں اور بارگاہِ عزت سے امید تو ایسی ہی ہے کہ آپ کا ذہنِ سلیم بحمد اللہ تعالیٰ اسی اجمال سے ہی بہت کچھ تفصیل پیدا فرمائے گا۔

مسئلہ زیارتِ القبور للنسآء...... حبیبی اکرمکم اللہ تعالیٰ ! شَے کے لیے حکم دو قسم ہے۔ ذاتی کہ اس کے نفسِ ذات کے لحاظ سے ہو اور عرضی کہ بہ وجہِ عروضِ عوارضِ خارجیہ ہو۔ تمام احکام کہ بہ نظر سدِ ذرائع دیے جاتے ہیں۔ جو مذہبِ حنفی میں بالخصوص ایک اصلِ اصیل ہے۔ اسی قسمِ دوّم سے ہیں۔ یہ دونوں قسمیں بآں کہ نفی واثبات میں مختلف ہوتی ہیں۔ ہرگز متنافی نہیں کہ مناشی جدا جدا ہے۔ اس کی مثال حضور نسآء فی المساجد ہے کہ نظر بذات ہرگز ممنوع

نہیں۔بل کہ ان کا روکنا ممنوع ہے۔صحیح حدیث میں ارشاد ہوا: **لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ** (اللہ کی باندیوں کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے نہ روکو) اور نظر بہ حالِ زناں ممنوع کما صرح بہ الفقہا الکرام۔**وقد قالت ام المؤمنین الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لو رائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النسآء لمنعھن المساجد کما منعت نسآء بنی اسرائیل** ۔ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عورتوں نے جو نئی باتیں پیدا کرلی ہیں؛ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھتے تو ان کو ایسا ہی مسجدوں سے روک دیتے، جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روکی گئیں۔

(ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی: کلیاتِ مکاتیبِ رضا، مطبوعہ، کلیر شریف، ۲۰۰۵ء، ج۲، ص۴۵)

(۴۰) ”جب حیا و غیرت، دین و دیانت، عقل و انسانیت کی نوبت یہاں تک مشاہدہ ہوئی۔ ہر ذی فہم نے جان کیا کہ بحث کا خاتمہ ہو گیا، حضرات سے مخاطبہ کسی عاقل کا کام نہ رہا، الحمد للہ! کتب و رسائلِ فقیر تو چھتیس سال سے لاجواب ہیں، اصحاب و احبابِ فقیر کے رسائل بھی بعونہٖ تعالیٰ عزوجل لاجواب ہی رہے۔ادھر کے تازہ رسائل ظفر الدین الطیب، کین کش پنجۂ پیچ و بارشِ سنگی و پیکانِ جاں گداز، العذاب البئیس اور ضروری نوٹس و نیاز نامہ کشفِ راز واشتہار چہارم، اشتہار پنجم، اشتہار ہفتم و ہشتم ہی ملاحظہ فرمایئے، کس سے جواب ہوسکا؟ ان کے یہاں اعتراضوں، مواخذوں و مطالبوں کا کس نے قرض ادا کیا؟ بات بدل کر اِدھر اُدھر کی مہمل، لچر اگر ایک آدھ پرچے میں کسی صاحب نے کچھ فرمائی، اس کا جواب فوراً شائع ہوا کہ پھر اُدھر مُہرِ سکوت لگ گئی۔والحمد للہ رب العالمین،

مگر اب کی یہ تدبیر حضرات کو ایسی سوجھی، جس کا جواب ایک میں اور میرے اصحاب کیا، تمام جہاں میں کسی عاقل سے نہ ہوسکے، غریب مسلمان اتنی حیا و غیرت، ایسی بے تکان جرات، اتنی بے باک طبیعت کہاں سے لائیں؟ کہ کتابیں دل سے گڑھ لیں، ان کے مطبع دل سے تراش لیں، ان کی عبارتیں ڈھال لیں اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرِ بازار چھاپ دیں......“

(ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی: کلیاتِ مکاتیبِ رضا، مطبوعہ، کلیر شریف، ۲۰۰۵ء، ج۱، ص۱۷۲/۱۷۴)

اختتامیہ

گذشتہ اوراق میں آپ نے امام احمد رضا محدّثِ بریلوی کی نثر کے بعض ادبی جواہر پاروں کو خاطر نشین فرمایا...... ظاہر ہونا چاہیے کہ یہ تمام شہ پارے امام احمد رضا کی صرف چند ہی کتابوں سے بہ طورِ ع

مُشتے نمونہ از خروارے

کے مصداق اخذ کیے گئے ہیں...... جیسا کہ ناچیز نے پہلے ہی یہ عرض کیا تھا کہ اگر امام احمد رضا کی تمام تر مطبوعہ تصانیف سے ایسے گراں قدر ادبی جواہر پاروں کو یک جا کیا جائے تو کئی ضخیم مجلدات تیار ہو سکتے ہیں...... یہ ایک وسیع موضوع ہے...... جس پر تحقیقی کام ہو سکتا ہے......

بہ ہر کیف! ان ادبی جواہر پاروں کے مطالعہ و تجزیہ سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ امام احمد رضا بریلوی محض عالمِ دین، مجددِ وقت، فقیہِ بے مثال اور مشہور نعت گو شاعر ہی نہیں؛ بل کہ بلند پایہ ادیب، مایۂ ناز انشا پرداز اور قادر الکلام زُود گو نثر نگار بھی تھے...... یہاں یہ بات ذہن نشین رہ کہ امام احمد رضا جیسے اپنے وقت کے انتہائی مصروف ترین عظیم عبقری فقیہ و مجدد، مفسر و محدث، مترجم و محقق، مدبر و مفکر، مصلح و مبلغ اور اسلامی سائنس داں کے پاس اپنے اسلوبِ نگارش کو نکھارنے اور سنوارنے کا قطعی وقت نہ تھا...... لیکن ان بیش بہا شہ پاروں کا جائزہ لینے کے بعد یہ ماننا پڑتا ہے کہ جیسے امام احمد رضا بریلوی کا طرزِ تحریر اور پیرایۂ بیان خود بہ خود نکھرا ہوا تھا......

امام احمد رضا نے اپنی نثر میں بات کو زیادہ طول نہ دیتے ہوئے اختصار کے ساتھ جامعیت کا خیال رکھا ہے...... آپ نے مسئلے کی تشریح و توضیح میں غیر ضروری الفاظ و تراکیب سے گریز کیا ہے...... وہ رموز و نکات جو عام مفتیانِ کرام کئی صفحات تحریر کرنے کے بعد بھی صحیح طور پر بیان نہیں کر پاتے؛ آپ نے چند سطروں میں بیان کر کے گویا سمندر کو کوزے میں سمو دیا ہے...... یہی وجہ ہے کہ قاری کو نفسِ عبارت کے فہم میں دقّت محسوس نہیں ہوتی...... آپ نے اپنی نثر میں شاعرانہ فضا اس انداز سے پیدا فرمائی ہے کہ نثر میں نظم کا لطف و سرور طاری ہو جاتا ہے...... صنعتی گل بوٹے...... استعارات و تشبیہات...... تراکیب و پیکرات...... محاورات و ضرب الامثال...... جا بجا مقفا جملوں کا سلیقہ مندانہ استعمال...... طنز و نشتریت...... فکری اندازِ تنقید جیسے عناصر نے مل کر آپ کی نثر کو اردو ادب کا اعلا ترین شاہ کار بنا دیا ہے...... جن کی حلاوت و گھلاوٹ سے قاری پر

وجدانی کیفیت طاری ہونے لگتی ہے......اردوے معلا کی لطافت وطراوت سے چشم وکام ودماغ میں ٹھنڈک ومٹھاس پیدا ہوجاتی ہے......اردو نثر میں عربی و فارسی الفاظ وتراکیب کا اِس درجہ احسن طرز سے استعمال فرمایا ہے کہ قاری کو بجاے ناگواری کے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی ذہن وقلب پر شیرینی برسا رہا ہے......کہیں کہیں علاقائی بولیوں اور روزمرہ کے الفاظ تو بڑا لطف دے جاتے ہیں......جمالیاتی حُسن اور پُر کیف منظر کشی کا انداز انتہائی نکھرا ہوا ہے؛ ایسا لگتا ہے جیسے تحریر میں بیان کردہ مناظر نگاہوں کے سامنے گردش کررہے ہیں......تصویریت کا حُسن قاری کو شادابگی کا احساس دلاتا ہے......

مختصر یہ کہ امام احمد رضا کی نثری نگارشات کے مطالعہ وتجزیہ سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے الفاظ کی لہروں میں معانی کا سیلِ رواں لہراتے، بل کھاتے، اٹھلاتے، خوشبو لٹاتے، اور گنگناتے ہوئے وادیِ دل سے گذر رہا ہے......کیف ونشاط اور مسرت وبصیرت کا جھونکا ہے کہ کوثر وتسنیم کا ساغر......جسے دیکھ کر......پڑھ کر......سُن کر دل ہی نہیں روح تک مسکرا اُٹھتی ہے......

الغرض امام احمد رضا بریلوی نے اردو ادب کی جو وسیع تر اور گراں قدر خدمات انجام دی ہیں......اس کے پیشِ نظر تاریخِ اردو ادب کی کتابوں میں نہ صرف یہ کہ آپ کا ذکرِ خیر ہونا چاہیے تھا......بل کہ آپ کی خدماتِ جلیلہ کو آبِ زر سے جلی حرفوں میں تحریر کرنا چاہیے تھا......یہی امر کس قدر حیرت انگیز اور لائقِ تحسین ہے کہ امام احمد رضا کے دامن میں ہزار کے لگ بھگ کتابیں ہیں......مگر یہ دیکھ کر میرے دل میں درد وکرب موجیں لینے لگتا ہے کہ اردو ادب کی تاریخ میں اُن لوگوں کا ذکر تو ملتا ہے جو امام احمد رضا کے ہم عصر تو تھے؛ مگر اُن کی حیثیتیں آپ کے سامنے طفلِ مکتب سے بھی کم تھیں......اور ہاں! اگر کسی کا ذکر نہیں ملتا تو امام احمد رضا جیسے صاحبِ تصانیفِ کثیرہ، شہنشاہِ اقلیمِ سخن اور عظیم المرتبت شاعر وادیب کا......آخر کار آپ کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟......آپ کو ناقابلِ اعتنا کیوں سمجھا گیا؟......یہ یک طرفہ تاریخ کیوں لکھی گئی؟......یہ جانب دارانہ رویہ کیوں اپنایا گیا؟......یہ غفلت کیوں برتی گئی؟......جو دیکھ رہے تھے، جو سُن رہے تھے، ذکر کیوں نہیں کیا؟ عقل حیران ہے......دل پریشان ہے......یقین انگشت بدنداں ہے......انصاف فریادی ہے......

یاد رہے کہ اردو ادب کی تاریخ میں امام احمد رضا کا ذکرِ خیر نہ کر کے مورخینِ ادب نے اردو کے عظیم ترین سرمایے کے ساتھ سنگین ناانصافی کا مظاہرہ کیا ہے......یہی نہیں! بل کہ ایک عظیم ادبی جرم کا ارتکاب کیا ہے......جس کی معافی ناممکن ہے......

آپ ایسا نہ سمجھیں کہ یہ صرف میرے اپنے دل کا درد و کرب ہے.....نہیں نہیں!...... یہ تو ہر اُس منصف مزاج، ادب پسند طالب علم کا درد ہے......جس کا ادب کے تئیں یہ نظریہ ہے کہ :

''ادب میں تعصب کی عینک سے مطالعہ کرنا اور اپنے مخالف عقیدے و نظریے کے مقلد افراد کی اعلا ترین علمی و ادبی کاوشات سے صرفِ نظر کرنا؛ ادب کو زندہ درگور کرنے کے مترادف ہے......''

بہر کیف! جو ہُوا سو ہُوا......اب وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارے محققین و مورخین اور ناقدین کو اِدھر اُدھر دیکھنے کے بجائے خود کو دیکھنا ہوگا......اپنے آپ کو محدوٗد فکری بندشوں سے آزاد کرانا ہوگا......اپنا اندازِ غور و فکر بدلنا ہوگا......تعصب کے عمق سے اوجِ انصاف پر آنا ہوگا...... نظریاتی حصار کی قید و بند سے خود کو نکالنا ہوگا...... جانب داریت کے ضرر رساں دائرے کو مٹانا ہوگا......اپنی زبان کو اپنے دل کا رفیق بنانا ہوگا......اور امام احمد رضا کی تصانیف کا مطالعہ و تجزیہ کرتے ہوئے؛ دنیائے علم و ادب میں آپ کے مقام و منصب کو بیان کرنا ہوگا......تاکہ جہانِ فکر و فن کے متوالے امام احمد رضا کے افکار و نظریات سے مکمل طور پر استفادہ کر سکیں......اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ ہمارے روشن مستقبل کا پیش خیمہ ثابت ہوگا......اور اگر اس کے برعکس ہوتا ہے تو تاریخ کبھی بھی ہمارے محققین، مورخین اور ناقدین کو معاف نہیں کرے گی......یاد رہے کہ امام احمد رضا کی جملہ تصانیف ہمارے تابناک کل کی ضمانت اور ہماری علمی و فکری، دینی و سیاسی، قومی و ملّی، اصلاحی و دعوتی، معاشی و معاشرتی اور تہذیبی و تمدنی ترقیات کا زینہ ہیں......

دعا ہے کہ رب العزت جل وعلا اپنے حبیبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل ہمیں حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے (آمین)......

اسی طرح یہ بھی دعا ہے کہ یا الٰہ العالمین

اس دور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو
وہ داغِ محبت دے جو چاند کو شرما دے

(آمین بجاہِ الحبیب الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

محمد حسین مُشاہد رضوی
سروے نمبر ۳۹ / پلاٹ نمبر ۱۴ / نیا اسلام پورہ، مالیگاؤں (ناسک) 9420230235

۲۵ / ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
۲۸ / جولائی ۲۰۰۰ء جمعۃ المبارک